چھپا

دیوان غالب

نسخہ امروہہ کا

مرتب: سید انیس شاہ جیلانی

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

چھپنا

دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ

کا

مرتبہ

سید انیس شاہ جیلانی

۱۹۸۹ء

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدرآباد • کراچی •

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب	:	چھپنا دیوانِ غالب نسخہ امروہہ کا
مرتب	:	سید انیس شاہ جیلانی
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت	:	2013ء
قیمت	:	-/240 روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39-مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056

فکشن ہاؤس

● لاہور ● حیدر آباد ● کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

خوش طبعی اور دل جوئی کا وہ جوہر جو غالبؒ کا حصہ تھا ایک وافر مقدار میں ہمارے

میاں مسعود احمد خان جھنڈیر

میں نمایاں اور ان کے مزاج میں جاری وساری ہے اس پر بھی میں ایسا جانتا ہوں

غالبؒ سے وہ مناسبت حضرت کو نہیں ہے

جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہو یہ مختصر سا مجموعہ کتاب کے رسیا اور علم دوست حضرات

کے سرپرست کی

نذر

اس توقع پر کر رہا ہوں کہ وہ غالبؒ پروری میں پیش قدمی فرمائیں گے زیادہ حدِ ادب

خاکسار

انیس شاہ جیلانی

۸ر فروری دو ہزار چھے

حرف حرف

غالبؔ سے متعلق کیا کیا کچھ نہیں چھپ چکا' چھپتا رہتا ہے چھپتا رہے گا' یہ فخر اسی کو حاصل ہے' غالبیئن میں ہمارا شمار نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا' اس سے بحث نہیں ہے کہ ہم سے کچھ لکھنا آتا بھی ہے' بس ایک ہی دھن کوئی چیز اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے' اسے سمیٹ لو' اسے گانٹھ لو' وہ پہچانے کم ہی گئے۔ پہلودار ہی اتنے تھے۔ ان کی وظیفہ خواری پر اکثر لے دے کی جاتی ہے' اب یہ تو کوئی دیکھتا نہیں خود بہادر شاہ ظفرؔ ہماری طرح کے تعویذ گنڈے اور دکھاوے کی چیز تھے' تیسری پشت میں انگریز کے وظیفہ خوار۔ ایسے میں غالبؔ کو آڑے ہاتھوں لینا کہاں تک روا ہے' وہ تو داد طلب ہے' وہ آنکھیں چرانے والا نہیں تھا' زمانے کے تیور جان چکا تھا' سامنے کی تو بات تھی۔ غالبؔ کا دیوان بھی اُس کی شخصیت سے مختلف کوئی اور نہیں وہ بھی مستقل موضوع ہے اسی سلسلے کا یہ یونہی سا مواد پیش کیا جا رہا ہے' لطف و لذت آپ کے ذوق و شوق پر منحصر ہے۔

خاکسار

انیس شاہ جیلانی

۱۱ر جنوری ۱۹۹۸ء

لطیف الزماں خاں
کا بے حد کامیاب جوابی حملہ اور ترکی بہ ترکی جواب
معروف ادیب شاعر مفسر "محقق" اور صحافی ناشر
حضرت مشفق خواجہ کے لیے

"موصوف (لطیف الزماں خاں) کے پاس غالب سے متعلق کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے اس کی بنا پر انھیں غالب شناس قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کے پاس قوت باہ کی دواؤں کا ذخیرہ دیکھ کر اس کی قوت مردمی کی شان میں قصیدے پڑھے جائیں ______"

[مشفق خواجہ بنام گوہر نوشاہی' مطبوعہ بہ سبیل غالب' از سید معین الرحمٰن' ۲۰۰۹ء طبع اول' دو ہزار]

"جناب مشفق خواجہ! کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ' میں چار جوان جہان بچوں کا باپ ہوں آپ نرے خواجہ سرا۔ کیا لطیفہ ہے کہ میری "مردانگی" پر وہ شبہ ظاہر کر رہا ہے جو بے چارہ خود قوت مردمی سے بالکل محروم ہے۔ لاہور میں ان کے ہم پلہ "مرد تحقیق" ہانپتے ہوئے ڈاکٹر عبدالوحید قریشی کا بھی یہی حال ہے۔ نہ مشفق خواجہ کے کوئی

اولاد نہ وحید قریشی صاحب اولاد۔ دونوں دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور ''غیبت'' کا سیشن لگانے کی شہرت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ''مقبولیت'' کا یہ حال ہے کہ آزادانہ رائے لی جا سکے تو ان دونوں کو اپنی بیویوں سے بھی اپنے حق میں ووٹ نہ ملیں۔ مشفق خواجہ اس کے جواب میں کیا فرماتے ہیں میں اس کا انتظار کرتا ہوں'' ـــــ

[لطیف الزماں خاں بنام انعام الحق جاوید' مطبوعہ بر سبیل غالب' از سید معین الرحمٰن' طبع اول' ستمبر دو ہزار' صفحہ ۲۱۰]

o

کوہکن غالب توفیق احمد قادری چشتی

میری پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۲ء محلّہ مچھرٹہ امروہہ میں ہوئی میرے حقیقی تائے چچا و پھوپھی نے ہمارے والد اور میری والدہ صاحب میں رسائی نہ ہونے دی۔ ان کو مصائب سے دو چار ہونا پڑا بالآخر میرے باپ نے ہماری والدہ صاحبہ کو نکال دیا۔ وہ اپنے باپ کے گھر آ کر میری پرورش کی۔ اور مجھے تعلیم دلائی۔ میں مسلکی اعتبار سے حنفی سنی ہوں۔ امروہہ بازارگزری میں نیشنل بک ڈپو کے نام سے دکان کرلی۔ جو بہ طفیل دیوان غالب بخط غالب تمام دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ یہ فرم آج بھی قلمی و نادر کتب کا کاروبار بڑے پیانے پر کرتی ہے۔ (۱۹۷۸/۲/۱۸ء امروہہ ہند) [غیر مطبوعہ مراسلت توفیق چشتی کی]

(۱)

[لفافہ]

National Book Depot
Printed Rare Books Manuscript Bokks
Documents And Antique Art Dealer.
AMROHA (Moradabad) UP

جناب بھائی رئیس امروہوی صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عرض یہ ہے کہ میں ۱۹۵۸ء سے امروہہ میں قلمی کتب و شاہی فرمان کی خرید

فروخت کرتا ہوں۔ میری دکان بازار گزری میں ہے۔ جس کا نام "نیشنل بک ڈپو" ہے۔ بہر صورت ۱۵/اپریل ۶۹ء کو دیوان غالب کا مخطوطہ جو کہ خود مرزا غالب خود نوشتہ ہیں۔ ۱۲۳۱ھ کا ہے۔ جس کے کل ورق ۶۳ ہیں اور صفحات ۱۲۶ ہیں۔ اس سلسلے میں ہندوستان ٹائمز میں پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے حوالے سے تمام ہندوستان کے اخبارات میں علاوہ بیرون ہند میں انگریزی اردو ہندی تمام اہم روزناموں میں یہ خبر شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی یہ خبر نشر ہوئی۔ اس خبر نے دنیاء اُردو ادب میں لہر دوڑا دی۔ اور ہر طرف سے خوشی کے خطوط آنے لگے۔ ڈاک نے مجھے پریشان کر دیا۔ ہندوستان کے مشہور ادیبوں نے اس پر تبصرے شروع کر دیے جس میں صف اول میں عالی جناب حضرت مولانا امتیاز علی عرشی رام پوری کا مقام ہے۔ آپ نے ایک آرٹیکل اس پر لکھا ہے جس کا عنوان ہے "غالب کا خود نقل کردہ نسخہ دیوان اردو ایک انمول موتی" دوسرے نوجوان ادیب شہیر عالی جناب نثار احمد فاروقی امروہوی دہلی کالج دہلی کا مضمون "ہماری زبان" علی گڑھ اور الجمعیۃ اخبار میں چھپ چکا ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ پاکستان کے ہر انگریزی اور اردو کے اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امروہہ میں دیوان غالب ملا ہے اس دیوان کا نام "نسخۂ امروہہ" رکھا گیا ہے۔ میرے شہر امروہہ کا نام زندہ رہے۔ میں نے اپنے نام منسوب کرنے کے بجائے امروہہ کے نام منسوب کر دیا ہے امروہہ کو میرے نام پر فضیلت ہے۔ نثار احمد فاروقی صاحب کا ایک مضمون بہ مع فوٹو رسالہ "آج کل" جو کہ سنٹرل گورنمنٹ آف انڈیا نئی دہلی سے نکلتا ہے اس میں ماہ مئی میں شائع ہو گیا ہے۔

یہ بات باعث فخر ہے کہ امروہہ کو یہ شہرت نصیب ہوئی اس سلسلے میں آپ سے مدد چاہتا ہوں کہ پاکستان کے اردو انگریزی اخبارات کی وہ کٹنگ جس میں دیوان غالب مخطوطہ کا ذکر ہو روانہ کریں۔ میں ان تبصروں کو اور اخبارات کی تمام کٹنگ کو شائع کروں گا۔ آپ امروہہ کی مشہور ہستی جو کہ برصغیر ہند و پاک کے شعراء کی روح رواں ہیں اور غالب

سے بے پناہ عقیدت کی بنا پر میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے
تھوڑا وقت ان تمام اخبارات کی کٹنگ جو کہ غالب کے دیوان مخطوطہ کے متعلق ہو روانہ فرما کر
شکریہ کا موقع دیں گے۔ میں نے اس نسخہ کا نام "نسخۂ امروہہ" رکھ دیا ہے۔

فقط والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۹/۵/۶۹

نوٹ: میں اپنا فوٹو بھی روانہ کر رہا ہوں۔

[نقل مطابق اصل ہے۔ رئیس کا حاشیہ یہ ہے] "یہ خط غالب کے اردو دور یافت
نسخۂ امروہہ کے بارے میں ہے" "نسخۂ امروہہ" کے مندرجات (پرانی غزلیں ہیں
یا نئی۔ مطبوعہ یا غیر مطبوعہ) کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اس خط کو حفاظت سے
رکھیں۔ اس کے نقول۔ یہاں چند اصحاب نے لی ہیں مثلاً نادم سیتاپوری اور مسلم
ضیائی اور ایوب قادری وغیرہ۔ غالباً اس کی مزید نقول درکار ہوں گی۔

رئیس۔ ۲۰/۶/۶۹'' ____

(۲)

[کارڈ]

۷۸۶

۱۳/۶/۶۹

عالی جناب رئیس صاحب امروہوی

السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ مورخہ ۱۵ جون ۶۹ء کا تحریر کردہ لفافہ مع جنگ تراشہ جس میں میرا

فوٹو آپ کے حوالے کے ساتھ شائع ہوا ہے مورخہ ۱۲/ جون ۶۹ء کو وصول ہوا۔ نادم صاحب نے آپ کا ذکر خیر بھی کیا ہے کہ حضرت مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون رسالہ نقوش پاکستان پہنچ چکا ہے یہی مضمون نئی دہلی کے رسالہ ''آج کل'' ماہ جولائی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا ہے۔ ماہ جون ۶۹ء میں نثار احمد فاروقی دہلی کالج دہلی اجمیری گیٹ کا ہے اور جولائی میں حضرت مولانا کا۔ میرے پاس دفتر آج کل سے خط ہے کہ ۲۴/۲۵/ کو جون ۱۹۶۹ء جولائی ۶۹ کے دونوں شمارے ایک ساتھ اِشو ہوں گے میں انشاء اللہ آپ کو نثار احمد صاحب کا مضمون اور قبلہ کا مضمون بھی بذریعہ ڈاک فوری ارسال خدمت کردوں گا دونوں کا پیاں اسی وقت ارسال کردوں گا۔ ایک کام آپ کریں۔ آل احمد سرور ایڈیٹر ہماری زبان علی گڑھ کو خط لکھ دیں کہ حسب ذیل تاریخوں کے رسالے مجھے روانہ کردیں۔ ۲۲/ اپریل ۶۹ء یکم مئی ۶۹ء یکم جون ۶۹ء ان شماروں میں نسخۂ امروہہ کے بارے میں مضامین ہیں۔ نثار احمد فاروقی' طالب عباس صفوی اکبر آبادی' ابو محمد سحر صاحب بھوپالی' نثار احمد صاحب' اکبر علی خان فرزند مولانا امتیاز علی عرشی' احمر لاہوری صاحب' ۸/ جون کا شمارہ بھی۔

فقط والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۳/۶/۶۹

[بقلم رئیس امروہوی]: ___ ''انھوں نے نسخہ غالب کی قیمت پانچ لاکھ طلب کی ہے پانچ لاکھ'' ___

(۳)

[کارڈ]

۷۸۶

مکرمی رئیس امروہوی صاحب

سلام مسنون ۱۵/۶/۶۹

آپ کا خلوص نامہ جس پر تاریخ تحریر درج نہیں مورخہ ۱۴/ جون ۶۹ء A.M. کی ڈاک سے وصول ہوا۔ جنگ کا تراشہ بھی دیکھا میں نے سنا ہے کہ پاکستان ہندوستان کے درمیان مطبوعہ کتب ورسائل کی آمدورفت ممنوع ہے۔ میں چاہتا تھا کہ کچھ رسالے جس میں نسخہ امروہہ پر مضامین ہیں ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہے۔ اگر کوئی صاحب امروہہ سے پاکستان آنے ہوں تو ان کے ہاتھ وہ تمام چیزیں روانہ کردو۔ ماہ جون ۶۹ء کے رسالہ ''آج کل'' میں نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ہے۔ ماہ جولائی ۶۹ رسالہ آج کل میں ہی مولانا امتیاز علی عرشی کا تفصیلی مضمون شائع ہوا ہے ان کو کس طرح روانہ کروں اس کے بارے میں تحریر کریں۔

فقط والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

(۴)

[کارڈ]

۶۸۷

۹۲

۱۵/۷/۶۹

جناب سید محمد مہدی رئیس امروہوی صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض یہ ہے کہ آپ کا خلوص نامہ مورخہ ۷/ جولائی ۶۹ء کا تحریر کردہ مورخہ

۱۴/جولائی ۱۹۶۹ء کو ملا۔ یاد آوری کا تہ دل سے شکریہ۔ آپ کا بھیجا ہوا تراشہ جنگ ملا۔ مگر افسوس اس پر تاریخ طباعت درج نہیں مطلع کریں۔ میں نے عالی جناب نادم سیتاپوری کے نام "آج کل" شمارہ جون ۱۹۶۹ء کی کٹنگ جس میں نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ہے روانہ کئے ہوئے کافی دن ہوگئے ہیں۔ آج مورخہ ۱۴/جولائی ۱۹۶۹ء کو آج کل کا وہ شمارہ بھی آ گیا ہے۔ اس میں حضرت مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون تفصیلی چھپ کر آ گیا۔ میری ممبری کا پی آئی ہے۔ مزید دس کا پیاں آتے ہی اس کی کٹنگ فوراً آپ کو روانہ کروں گا۔ ہمارے مکرم و محترم ادیب مسلم ضیائی صاحب و نادم سیتاپوری صاحب اور دیگر اہل علم کام میں لائیں۔ آپ ہماری زبان کا کوئی شارانہ منگائیں ان میں کوئی خاص بات نہیں۔ یہ دو مضمون معرکتہ آرا ہیں ان میں سب کچھ ہے۔ ہماری زبان میں صرف آپس کی بحث بازی ہے۔ ان شاء اللہ جلد روانہ کروں گا۔ امسال امروہہ میں آموں کی فصل اچھی نہیں رہی۔ غالب کی روح امروہہ آتی ہے۔ ان کا دیوان بھی وہاں سے روشن ہوا۔ جہاں کے آم مشہور ہیں بعد مرنے کے ان کی روح نے امروہہ کو نوازا ان کی روح کو میرا صد صد سلام۔

فقط والسلا

توفیق احمد قادری چشتی

مجھے وہ سنڈے ایڈیشن کی ضرورت ہے جس میں جمال الدین صاحب کا مضمون چھپا ہے جلد روانہ کرو۔ امروہہ کا نام زندہ اور ہو۔ پاکستان ریڈیو سے اس پر تبصرہ کروتا کہ میں بھی سن لوں۔

[نقل مطابق اصل ہے]

(۵)

[کارڈ]

۶۸۷

۱۷/۷/۶۹

لیجئے رئیس امروہوی صاحب۔ خوشخبری سنئے۔

آج مورخہ میں ۱۷/جولائی ۱۹۶۹ء رات ۱۲ بجے والی گاڑی سے دہلی کو جا رہا ہوں اور دیوانِ غالب منظرِ عام آ رہا ہے میرے امروہہ کا نام زندہ تو تھا ہی مگر اب غالب صاحب کی وجہ سے اور اونچا ہوا۔ یہ بستی بزرگان ہیں یہاں کی سرزمین میں سید شرف الدینؒ آرام فرما ہیں۔ اب فکر یہ ہے کہ آپ کو کس طرح روانہ کریں اس دیوان کو عالی جناب مولانا امتیاز علی صاحب کے صاحبزادے اکبر علی خاں صاحب نے مرتب کیا ہے جو مولانا کے خلوص نے مجھے اس بات پر راضی کر دیا کہ میں اس نسخے امروہہ کو مولانا کے مبارک ہاتھوں سے چھپے آپ اہلِ ادب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ یہ دیوان جلد آ گیا۔ اہلِ علم کی دلی خواہش تھی کہ اس کو جلد چھپ جانا چاہیے۔ یہ خط رات کے ۱۲ بجے لکھا گیا ہے۔ ۱۷/جولائی ۶۹' مقام اسٹیشن امروہہ ہے۔

فقط والسلام

توفیق احمد قادری چشتی

۱۷/۷/۶۹

____ "میں تمہیں خط روانہ بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مالک نسخہ امروہہ کا دوسرا کارڈ ملا۔ ارسال ہے۔ رئیس ۲۳/جولائی ۱۹۶۹" ____

[یہ خطاب مرتب یعنی انیس سے رئیس کا ہے۔ نقل مطابق اصل ہے۔ انیس ۸/۳/۷۸]

o

اس طرح دیوانِ حمیدیہ غالب ۱۸۲۱ء کا نسخہ نواب بھوپال کی لائبریری سے نکلا۔

بقول عبدالقوی دسنوی نواب صاحب کی لائبریری سے نسخۂ حمیدیہ لاپتہ ہو گیا تھا۔ ۱۷/ اپریل ۶۹ء کو خبر چھپی کہ مرزا غالب کی خود نوشت غیر مطبوعہ بیاض اور امروہہ ضلع مراد آباد کے توفیق احمد قادری کے پاس موجود ہے۔ اس کی قیمت انہوں نے چھ ہزار روپے مانگی۔ کچھ عرصے کے بعد بیاض کے عکس شائع ہو گئے۔ جب توفیق احمد صاحب سے پوچھا گیا کہ یہ کتاب کہاں سے ملی تو انہوں نے انہوں نے بتایا کہ ۱۵/اپریل ۱۹۶۹ء کو بھوپال سے یہ میں نے گیارہ روپے میں خریدی۔ انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ کتنی اہم کتاب ہے۔ رضا علی عابدی نے حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کے لیے بھوپال کے محمود حسن صاحب سے پوچھا کہ یہ توفیق احمد صاحب کو دیوان کس نے دیا۔ انہوں نے کہا کہ کسی پٹھان کباڑی نے یہ نسخہ انہیں دیا۔ شفیق الحسن صاحب جنھوں نے توفیق احمد صاحب کو کتاب دی تھی بھوپال کی مسجد میں عابدی صاحب کو ملے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں نے ایک اور کتاب گیارہ روپے میں دی جس کے اندر وہ بیاض غالب چھپا کر لے گئے اور مخطوطہ انہیں عاریتاً اور امانتاً دیا گیا تھا نہ کہ برائے فروخت۔

توفیق احمد سے جب پوچھا گیا کہ نسخے کا اصلی مالک کون ہے تو وہ تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ مولانا عرشی امتیاز علی کے صاحبزادے اکبر علی خان کوئی تیس سال سے غالب کی نگارشات جمع کر رہے ہیں۔ رام پور میں عابدی صاحب نے اُن سے پوچھا کہ کیا وہ نسخہ واقعی غالب کے خط کا تھا اور یہ کہ نسخہ آپ کے کیسے ملا۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے کہا کہ میں نے امروہہ جا کر توفیق احمد سے نسخہ دیکھا اور اُس کے نوٹس تیار کیے۔ پھر ہم نے چاہا کہ اسے شائع کر دیں۔ بہر حال پانچ مہینے کے بعد یہ نسخہ عرشی زادہ کے نام سے ۳۰۰ کی تعداد میں شائع ہوا۔ انہی دنوں لاہور کے محمد طفیل نے ''نقوش'' میں یہی چیز چھاپ دی۔ اس دوران میں اصل نسخہ غائب ہو گیا۔ توفیق احمد نے کہا کہ عرشی زادہ کے قبضے میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں صحیح طور پر نہیں بتا سکتا۔ میں نے ایک کار کے ذریعے نسخہ بھیجا۔ ہندوستان میں ایک

بات شائع ہوئی کہ کسی نے بھاری رقم لے کر ملتان کے لطیف الزماں خاں کو وہ نسخہ دیا جنھوں نے راتوں رات محمد طفیل کو دے دیا اور انہوں نے چھاپ دیا۔ دہلی میں عکس بنانے والے سے ۶۱ صفحات خریدے اور یوں محمد طفیل نے اسے چھاپ دیا۔ بعض محققین نے اسے جعلی قرار دیا۔ خود رضا علی عابدی کا بھی یہی خیال ہے۔ لطیف الزماں نے کہا کہ میں نے کالی داس گپتا کو خط لکھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ جعلی نہیں ہے۔ بقول عابدی اب نامعلوم یہ کس کی تاریک الماری میں بند ہے اور شاید ہمیشہ بند رہے گا۔

[مطبوعہ ماہ نامہ ماہِ نو لاہور، جنوری ۱۹۸۵ء "کتب خانہ" از : صاحب زادہ حمید اللہ چشتیوی]

دیوانِ غالب بخطِ غالب

رُودادِ اشاعت

لطیف الزماں خاں

کہا جاتا ہے کہ دیوانِ غالب بخطِ غالب ۱۵؍اپریل ۱۹۶۹ء کو توفیق احمد قادری امروہوی نے بھوپال کے ایک کتب فروش شفیق الحسن سے گیارہ روپے میں خریدا اور ۱۷؍ اپریل ۱۹۶۹ء کو روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں اشتہار دیا کہ اس کے پاس غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار ہے۔ ۱۷؍اپریل ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں شائع ہونے والے کئی زبانوں کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے یہ خبر شائع ہوئی کہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا مسودہ جس میں تقریباً ایک ہزار اردو غزلیات، ۱۳ فارسی کی اور گیارہ رباعیات اُردو کی موجود ہیں دریافت ہوا ہے۔

میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ "میرے لیے دیوان

غالب بخطِ خرید لیں'۔ میرے تاجر پیشہ عزیز نے سوچا کہ غالب کا دیوان تو چھ آنے میں ملتا ہے چھ ہزار میں کیوں خریدا جائے' انہوں نے یہ دیوان نہ خریدا اور وقت گزرتا رہا۔

اکبر علی خاں اور نثار احمد فاروقی دونوں ہی اس نو دریافت دیوان سے مالی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دونوں حضرات اپنے راستہ سے دوسرے کو ہٹانا چاہتے تھے۔ ایک اطلاع کے مطابق دونوں دہلی کے کسی ہوٹل میں یکجا ہوئے۔ اکبر علی خاں نے کہا "تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ"۔ یہی بات نثار احمد فاروقی نے اکبر علی سے کہی۔ فاروقی یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کی پوزیشن زیادہ مضبوط ہے کہ وہ بقول عابد رضا بیدار اس سے "استفادہ" کر چکے تھے یعنی فوٹو سٹیٹ بنوا چکے تھے۔

میں ایک روز لاہور گیا۔ میرا قیام طفیل مرحوم (مدیر نقوش) کے گھر ہوتا تھا۔ اکثر پروگرام یہ بنتا کہ سہ پہر کو ہم دونوں کسی ایسے ریستوران میں جا بیٹھتے جہاں شور نہ ہوتا۔ ہنگامہ آرائی' بے کار بحثوں میں الجھے ہوئے لوگ نہ ہوتے بلکہ نسبتاً سکون ہوتا۔ واپسی پر ہم گھر جاتے اور کھانے کے بعد دیر تک گپ ہوتی۔ اس دن طفیل صاحب دن بھر مغموم رہے۔ سہ پہر کو کہیں نہ گئے۔ گھر پہنچے۔ کھانا کھایا۔ رات گزرتی رہی لیکن طفیل صاحب نے بات کر کے نہ دی۔ جب رات کے دو بج گئے تو میں نے مرحوم سے کہا "قصور نہ بتایئے صرف معاف کر دیجئے"۔ میرا خیال تھا نادانستگی میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ طفیل صاحب نے تکیہ کے نیچے سے ایک خط نکال کر دیا۔ یہ اکبر علی خاں کا خط تھا۔

معلوم ہوا کہ طفیل صاحب نے عرشی صاحب یا اکبر علی خاں کو خط لکھا تھا کہ وہ دیوان غالب بخط غالب شائع کرنا چاہتے ہیں اس کا جواب یہ ملا کہ اگر دیوان شائع کرنا چاہتے ہو تو لاہور میں فلاں حکیم صاحب کے پاس شرائط نامہ ہے' اسے پڑھو اور شرائط منظور ہوں تو "دیوان غالب بخط غالب" شائع کر سکو گے۔

میں نے خط پڑھ کر کہا "یار طفیل صاحب آپ کی خاموشی نے تو میرا دم ہی نکال

دیا تھا۔ صبح سے چُپ سادھ رکھی ہے بول کر نہیں دیتے' بتائیے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کردوں گا۔" طفیل صاحب کہہ رہے تھے"۔ میں نے ساری عمر عرشی صاحب کی خدمت کی۔ اکبر علی خاں کو کتابوں کے علاوہ روپے بھی بھیجتا رہا ہوں اور دیکھو کیا روکھا جواب دیا ہے"۔

اکبر علی خاں کا یہ خط طفیل صاحب کے کاغذات میں اب بھی محفوظ ہے۔

میں نے طفیل صاحب سے پوچھا "آپ نے نثار احمد فاروقی کو کیوں نہیں لکھا۔ وہ تو آپ کے زیادہ قریب ہیں"۔ کہنے لگے "وہ صرف روپے کے قریب ہے۔ اسے صرف روپے سے پیار ہے۔ نہ کسی انسان سے نہ کسی اور چیز سے۔ یہ طالب علم تھا۔ کسی لائبریری میں کلرک تھا۔ میں نے غریب جان کر اس کی مالی مدد کی لیکن مجھے بہت بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ انتہائی حریص انسان ہے"۔

جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے دیوان غالب بخط غالب نہیں خریدا تو میں نے انہیں نہایت سخت اور درشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دتی گئے۔ تین دن کی تلاش جستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی خاں نے دیوان غالب کے فوٹو سٹیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات سے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے۔ اس نے ترتیسٹھ صفحات کے فوٹو اسٹیٹ رکھ لیے۔ ان صفحات کو میرے عزیز نے منہ مانگے داموں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

جب فوٹو اسٹیٹ مجھے ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور سید سجاد باقر رضوی صاحب سے ملے چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ باقر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا:

"دلدار بھائی' یہ غالب کا دیوانہ ہے۔ اس کی اٹیچی کھولئے۔ ضرور

غالب پر کوئی تحریر ملے گی"۔ ہم تینوں ہنستے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اور فرمان صاحب اسٹیشن کے لئے تانگہ میں سوار ہوئے۔ راستہ میں فرمان صاحب نے پوچھا "کیا باقر صاحب کا اندازہ ٹھیک ہے؟ کیا اٹیچی میں غالب پر کوئی تحریر ہے"؟

میں نے اٹیچی میں سے لفافہ نکالا اور "دیوانِ غالب بخطِ غالب" کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دکھلائیں۔ وہ بہت حیرانی اور استعجاب سے ان اوراق کو دیکھتے رہے۔ باقر صاحب کو داد دی اور پوچھا "اب کیا ارادہ ہے"؟ میں نے ان سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان فراہم کروں گا وہی اسے شائع کریں گے۔ پاکستان میں میرے بعد فرمان صاحب پہلے انسان ہیں جنہوں نے "دیوانِ غالب بخطِ غالب" کے فوٹو سٹیٹ دیکھے۔

میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا اور اطلاع دی کہ "جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آگئی"۔ کہنے لگے "یار کیوں مذاق کرتے ہو"۔

میں نے کہا "کیا مذاق کرنے کے لئے آپ ہی رہ گئے ہیں"۔

طفیل صاحب "کیا واقعی"۔

میں نے کہا "قطعی"۔

طفیل صاحب "تم آتے ہو یا میں آؤں"؟

میں نے عرض کیا "آپ ہی آیئے میں تو کل ہی واپس آیا ہوں اور ہر روز چھٹی نہیں مل سکتی"۔

طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا کہ طفیل صاحب کے ساتھ وہ بھی کھانا تناول فرمائیں جو حضرات بی ۱۳۹/ گل گشت' ملتان میں جمع ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ پروفیسر نذیر احمد شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج ملتان (اب ڈپٹی سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ ڈویژن حکومت پاکستان)۔

۲۔ مسعود اشعر ریذیڈنٹ اڈیٹر امروز ملتان (اب ریٹائرڈ۔۱۳۔ رچنا' اقبال ٹاؤن' لاہور۔۱۸)

۳۔ سلطان صدیقی' ایڈووکیٹ ملتان۔

۴۔ ایک یونیورسٹی کلرک

طفیل صاحب بڑے بے چین تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کا تو بہانہ ہے بس میں نے انہیں بلالیا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ لفافہ ان کے سامنے رکھ دیا جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔ تھوڑی دیر تک جب بغور دیکھ چکے تو بولے ''آپ دس ہزار روپے لے لیجئے''۔ میں نے کہا ''طفیل صاحب آپ نے میرا دل دکھایا ہے۔ اگر دس ہزار روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دتی سے منگا یئے اور اگر یاری ہے تو لے جایئے''۔

تھوڑی دیر کے بعد یونیورسٹی کلرک نے مجھے کمرہ سے باہر بلایا اور ارشاد فرمایا ''آپ دس ہزار روپے لے لیں آپ یہی مکان خرید لیں۔ طفیل صاحب تو اس سے لاکھوں کمائے گا''۔

میں نے کہا ''میں اگر طفیل صاحب سے یہ رقم لے لوں تو پھر دوستی تو نہ ہوئی تجارت ہوئی۔ مجھے یاری عزیز ہے' پیسہ نہیں۔ یہ مشورہ آپ اپنے پاس رکھیں''۔

طفیل صاحب بہت خوش تھے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی پھر وہ گویا ہوئے ''یار لطیف صاحب! جب سے میں نے نقوش کی ادارت سنبھالی ہے کسی کو اس میں شریک کار نہیں بنایا۔ یہ بیاض نقوش میں شائع ہوگی اس شمارہ پر تمہارا بھی نام ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ ''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کے نام کے حروف کیا ہیں

ط۔ف۔ی۔ل۔ انھی حروف کو اس طرح کئے لیتے ہیں ل۔ط۔ی۔ف۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو کام آپ کر رہے ہیں میں ہی کر رہا ہوں۔ آپ میرا نام شائع نہیں کریں گے ـــــ جب چاروں حضرات جانے کے لئے اٹھے تو نذیر احمد صاحب نے آہستہ سے کہا ''یہ کلرک ہمارے کینڈے کا آدمی نہیں ہے آپ نے کیوں بلالیا؟''

میں نے کہا ''یہ مرگی کا مریض خود چلا آیا ہے۔ میں نے تو نہیں بلایا۔ گھر آئے ہوئے کو دھکا نہیں دیا جاسکتا''۔ اب میں اور طفیل صاحب پھر باتیں کرنے لگے ''خط شکستہ کو پڑھے گا کون؟'' طفیل صاحب نے پوچھا' مولانا غلام رسول مہر اور پروفیسر وزیرالحسن عابدی دونوں زندہ تھے۔ دونوں جید عالم تھے مہر صاحب ضعیف تھے پھر بھی کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ عابدی صاحب ہر کام میں اتنی دیر کرتے تھے کہ اس کی اہمیت ہی ختم ہوجاتی تھی۔ اس میں شک نہیں وہ بڑے محقق تھے لیکن طفیل صاحب تو جلد سے جلد دیوان غالب بخط غالب کو شائع کرنا چاہتے تھے۔

میں نے کہا ''اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا۔ آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے''۔

یہ لکھ چکا ہوں کہ نثار احمد فاروقی ''دیوان غالب بخط غالب'' سے استفادہ کر چکے تھے یعنی اس کے فوٹو سٹیٹ انہوں نے حاصل کر لئے تھے۔ میں موصوف کی کتاب تلاش غالب' کتابیات لاہور سے شائع کروا رہا تھا۔ اپریل سن ۱۹۶۹ء کے آخری ہفتہ میں ان کا مضمون ''دیوان غالب نسخۂ امروہہ'' براہ راست پبلشر ولید میر کو پہنچا' اس ہدایت کے ساتھ کہ اسے کتاب میں لازماً شامل کیا جائے۔ مضمون کے علاوہ دیوان غالب بخط غالب کی تین غزلیات فاروقی صاحب نے بھیجی تھیں۔ کتاب ٹائپ میں گوڈریج پیپر پر شائع ہوئی تھی۔ کتابیات لاہور کے منتظم ولید میر کو ضروری ہدایات دینے میں لاہور گیا۔ ولید میر نے وہ صفحۂ کتاب میں شامل کیا جس پر ترقیمہ لکھا ہوا ہے۔

ایک دن طفیل صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ وہ تلاشِ غالب میں ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں جس میں دیوانِ غالب شائع ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ''تلاشِ غالب'' میں چھوار ہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھیج چکے ہیں۔ میں فوراً لاہور پہنچا۔ طفیل صاحب اس زمانہ میں گڑھی شاہو میں ایک کرایہ کے مکان کی پہلی منزل میں رہتے تھے اور گراؤنڈ فلور پر ان کے بھائی محمد اکرم فروکش تھے۔ بعد مغرب طفیل صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے اور یہ کہہ کر اپنی بیگم صاحبہ سے تعارف کرایا ''یہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے دیوانِ غالب کے فوٹو دیے ہیں''۔ یہ الفاظ انہوں نے پنجابی زبان میں کہے تھے اور مجھے ترجمہ سنایا تھا۔

نو بجے شب میں اور طفیل صاحب ولید میر کی تلاش میں چنگڑ محلہ پہنچے۔ لاہور میں دو موری پل کے نزدیک یہ محلّہ آباد ہے۔ گندہ پانی نالیوں سے بہتا رہتا ہے۔ ہر طرف غلاظت' چھوٹی چھوٹی گلیاں' مکان تاریک کمرے تاریک تر کمروں میں روشنی کا گزر نہ ہوا کا۔ سیلن اور عجیب بُو۔ یہ تھا ماحول جب میں اور طفیل صاحب ولید میر کے گھر پہنچے تو وہ غائب تھے۔ میں نے طفیل صاحب سے کہا ''آپ گھر جائیے میں مضمون لے کر ہی آؤں گا''۔ میں اس بدبودار کمرہ میں بیٹھا رہا۔ کچھ نوجوان تاش کھیلتے رہے۔ صبح پانچ بجے ولید میر آئے۔ معلوم ہوا جوان کیبرے ڈانس دیکھنے گیا تھا اور اب نیند میں جھوم رہا تھا۔ ''سر' آپ گیارہ بجے آ جائیں میں آپ کو مضمون دے دوں گا''۔ کتاب شائع ہو چکی تھی۔ اور جلد بندی کے لئے المکتبۃ العلمیہ پریس' ۱۵۔ لیک روڈ' لاہور میں پڑی تھی۔ جب میں اور ولید میر وہاں پہنچے تو ایک مولانا سے واسطہ پڑا جو شدت پسندی میں ہر انتہا کو پھلانگے ہوئے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب تک ان کا دو ہزار روپیہ ادا نہ کیا جائے گا وہ ایک صفحہ بھی نہیں لے جانے دیں گے۔ میں نے فوراً یہ رقم ادا کی اور رسید سید باقر رضوی کے نام بنوائی کہ کتابیات

لاہور کے منتظم اعلیٰ وہی تھے۔ولید میران کا شاگرد تھا'' ''تلاشِ غالب'' کی اشاعت کے تمام اخراجات میں نے برداشت کئے ڈسٹ کور طفیل صاحب نے شائع کیا تھا۔

اس طرح نثار احمد فاروقی کا مضمون ''دیوانِ غالب : نسخۂ امروہہ'' حاصل کیا۔ رات کو حسب معمول میں اور طفیل صاحب دیر تک باتیں کرتے رہے۔تب معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے نیز یہ کہ وہ پورے دیوان کے حواشی لکھ چکے ہیں وہ بھی شامل اشاعت ہوں۔نثار احمد فاروقی کے قلم سے لکھا ہوا وہ رجسٹر جس میں حوالے اور حواشی لکھے گئے ہیں اب میرے پاس محفوظ ہے۔

نثار احمد فاروقی صاحب بڑے باکمال انسان ہیں۔ان کے کمالات بیان کرنے کے لئے کئی حضرات کئی کتابیں لکھ سکتے ہیں۔جب انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ دیوان غالب بخطِ غالب کے فوٹو سٹیٹ طفیل صاحب کو مل گئے ہیں تو ایک جانب انہوں نے اپنا مضمون ''دیوانِ غالب : نسخۂ امروہہ'' اور حوالے و حواشی کی نقوش میں اشاعت کے لئے طفیل صاحب کو آمادہ کر لیا' دوسری جانب مجھ پر بھی کرم فرمایا۔فاروقی صاحب ایسی منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ آئندہ جو قدم ان کا اُٹھے گا وہ کیا ہوگا اور جو قدم وہ اُٹھا چکے ہیں اس کا مقصد و منشا کیا ہے۔

میں نے ایک روز طفیل صاحب سے کہا'' چلئے سمن آباد میں حکیم صاحب سے مل آئیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ اکبر علی خاں کی کیا شرائط ہیں''۔ہم دونوں حکیم صاحب کے ہاں پہنچے۔حکیم صاحب کا نام تو میں بھول گیا ہوں لیکن ان کے صاحبزادے کا نام غالباً ڈاکٹر صغیر احمد تھا۔حکیم صاحب کرسی پر دراز تھے۔ بالکل سفید بال' لباس بھی سفید ان کے مزاج کا انداز اس بات سے لگائیے کہ شرائط نامہ خود تھامے رہے۔میں جھک کر اسے پڑھنے کی کوشش کرتا رہا اور طفیل صاحب حکیم صاحب کو دیکھتے رہے۔میں نے طفیل صاحب کو ٹہو کا دیا

کہ اٹھیں اور چلیں۔ دروازہ سے نکلتے ہی میں نے کہا ''ہم ایک آزاد ملک کے آزاد شہری ہیں اور پھر یہ کہ غالب اکبر علی خاں کے نام اپنا دیوان ترکے میں نہیں چھوڑ گئے''۔

واپسی میں طفیل صاحب اپنے ایک افسانہ نگار دوست صادق حسین صاحب کے گھر لے گئے۔ صادق صاحب، طفیل بھائی کے مشیر قانون ہیں۔ میرا تعارف انہوں نے ان الفاظ میں کرایا ''لطیف الزماں خاں، میرے دوست انہوں نے دیوان غالب بخط کے فوٹوسٹیٹ فراہم کئے ہیں''۔ طفیل صاحب کا خیال تھا کہ ''دیوان غالب بخط غالب'' کی اشاعت سے کوئی قانونی پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے اور دونوں ممالک کے تعلقات جو یوں بھی ہمیشہ ہی خراب رہتے ہیں مزید خراب نہ ہو جائیں۔

میرا خیال ہے کہ جو سرمایہ کسی بھی شکل میں طفیل صاحب کے پاس اس زمانہ میں موجود تھا اگر وہ سب کا سب اکبر علی خاں کو دے دیتے تب بھی شرائط پوری نہیں کر سکتے تھے۔ اگر حکیم صاحب سے وہ شرائط نامہ حاصل کر کے شائع کر دیا جائے تو یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اکبر علی خاں نے دیوانِ غالب بخط غالب'' سے کیا کچھ حاصل کرنے کا پلان بنایا تھا۔ میں نے کہا'' آپ دیوانِ غالب بخط غالب'' شائع کیجئے تمام تر ذمہ داری میری ہے''۔ صادق صاحب میرے ہم نوا تھے۔

طفیل صاحب نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معہ نو دریافت بیاض غالب بخط غالب شمارہ نمبر ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے۔ ایک روز نثار احمد فاروقی کے چچا ابرار احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آ ؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ میں ان کے گھر ۵۶۔ پرانی انارکلی لاہور پہنچا تو ابرار احمد فاروقی صاحب نے دیوان غالب بخط غالب کے فوٹوسٹیٹ اور ایک فلاسک جس پر غالب کے اشعار معنون کئے گئے تھے اور جس کی نقل بعد میں لاہور میں کسی نے تیار کی دونوں چیزیں میرے سپرد کیں۔ نثار احمد فاروقی نے لکھا تھا'' اسے آپ اپنے نام سے شائع کیجئے مجھے خوشی ہوگی'' جو جال وہ بچھا رہے تھے

میں اس سے بے خبر تھا۔ حضرت کے تمام خطوط محفوظ ہیں ان نوادارات کو کسی وقت شائع کروں گا۔۔۔۔ وہ لفافہ بھی محفوظ ہے جس پر ابرار احمد فاروقی صاحب کا پتہ لکھا گیا ہے۔

نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معہ نو دریافت 'بیاض غالب بخطِ غالب' کا ایک نسخہ طفیل صاحب نے مجھے بھی بھیجا پہلے صفحہ پر لکھا تھا:

''برادرم لطیف الزماں خاں صاحب کی خدمت میں
جن کا عشق
اس نمبر کے چھاپنے میں بہت کام آیا''
محمد طفیل

دوسرے صفحے پر لکھا تھا

''میں نے اچھے اچھے نمبر چھاپے مگر اب تک
اس کی اہمیت سب سے بالا ہے''۔
محمد نقوش

۱۵ جون ۱۹۷۰ء کو زندگی میں پہلی بار نثار احمد فاروقی سے طفیل صاحب کے گھر پر ملا۔ رات کے دو بجے تک باتیں ہوتی رہیں۔ زیادہ تر گفتگو اکبر علی خاں کے بارے میں ہوئی۔ حضرت فاروقی ثابت کر رہے تھے کہ اکبر علی خاں ایک سازشی انسان ہے اور یہ کہ انہوں نے توفیق احمد کو دھوکا دیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ خود انہوں نے جو فوٹو سٹیٹ حاصل کئے کیا توفیق احمد کی اجازت تھی۔ یقیناً نثار احمد فاروقی نے توفیق احمد کو پہلے دھوکا دیا پھر اکبر علی خاں نے۔

چہار شنبہ ۲۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو نثار احمد فاروقی کراچی سے لاہور جاتے ہوئے ملتان پہنچے۔ میں بھی تیز گام پر ان کا ہم سفر ہوا۔ ۲۳ جولائی ۱۹۷۰ء کو طفیل صاحب نے تین سو شعراء ادباء اور اداروں کی ایک فہرست بنائی۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ نقوش کا شمارہ نمبر ۱۱۳

جس میں ''بیاضِ غالب بخطِ غالب'' شائع ہوئی ہندوستان بھیج رہے ہیں۔اس شب کھانا نثار احمد فاروقی کے چچا ابرار احمد فاروقی صاحب کے ہاں تھا۔ رات کو دیر تک میں طفیل صاحب اور نثار احمد فاروقی باتیں کرتے رہے۔طفیل صاحب نے فہرست حوالے کرتے ہوئے کہا:

''فاروقی ـــــ پچاس نسخے تمہارے لئے ہیں۔اس فہرست میں جن دوستوں اور اداروں کے نام ہیں ایک ایک نسخہ انہیں پہنچا دینا''۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر مرحوم نے چائے طلب کی۔ بھابھی چائے لے آئیں اور گفتگو میں شریک ہوگئیں۔طفیل صاحب نے کہا:

''تم نے حواشی لکھے یہ پانچ ہزار تمہاری محنت اور مضمون کا معاوضہ ہے۔توفیق احمد ایک غریب آدمی ہے اس نے ابتداء میں دیوانِ غالب کی قیمت چھ ہزار کی تھی۔یہ چھ ہزار اسے دے دینا۔ مجھے ایک قرض بھی ادا کرنا ہے۔ جب میں خطوط نمبر شائع کر رہا تھا تو مالک رام صاحب نے مجھے خطوط بھیجے تھے مجھے انہیں بھی کچھ رقم دینی ہے۔ انہوں نے طلب نہیں کی پھر بھی یہ آٹھ ہزار مالک رام صاحب کو دے دینا''۔

انیس ہزار روپے طفیل مرحوم نے میری اور بھابھی جان کی موجودگی میں دئے۔

جمعہ ۲۴/ جولائی کو میں، طفیل صاحب اور نثار احمد فاروقی گنڈا سنگھ والا پہنچے۔ یہ گاؤں پاکستان اور ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے۔ بڑے بڑے کریٹس جن میں نقوش غالب نمبر ۲ کتابیں اور تلاشِ غالب کے تین سو نسخے تھے نثار احمد فاروقی نے اتنی آسانی سے سرحد کے اس پار بھجوا دیئے کہ میں اور طفیل صاحب دیکھتے رہ گئے۔ پھر فاروقی بھی ہندوستان سرحد میں داخل ہوگئے۔ دو گھنٹے گزرنے کے بعد فاروقی صاحب کی آواز آئی ''جائیے''۔

جب ہم لاہور آ رہے تھے تو میں نے طفیل صاحب سے پوچھا "اتنی کتابیں اتنی رقم فاروقی صاحب کیسے لے جائیں گے؟" طفیل صاحب نے بڑی معنی خیز ہنسی کے ساتھ کہا: "اگر دس گنا کتابیں ہوں اور انیس کروڑ روپے ہوں تب بھی نثار احمد فاروقی بلا کھٹکے لے جائے گا۔ تم اسے نہیں جانتے"۔

نثار احمد فاروقی نے ہندوستان پہنچ کر ایک بھی نسخہ کسی شخص یا ادارہ کو نہیں دیا۔ تمام نسخے تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے فروخت کر دئے۔ مجھے نہیں معلوم توفیق احمد کو چھ ہزار روپے دیے یا نہیں البتہ مالک رام صاحب کو ایک پیسہ نہیں دیا۔ ۲۶/اگست ۱۹۸۳ء کو میں بمبئی سے دلی پہنچا تھا اور پاکستان واپس آ رہا تھا۔ محترم مالک رام صاحب اور محترم ڈاکٹر محمد حسن صاحب دونوں اسٹیشن پر تشریف لائے تھے۔ گاڑی وہاں دو گھنٹے کھڑی رہی۔ دوران گفتگو میں نے مالک رام صاحب سے پوچھا "کیا آٹھ ہزار روپے نثار احمد فاروقی نے آپ کو ادا کر دیئے"؟

مالک رام نے کہا "نہیں مجھے تو انہوں نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا" تب میں نے انہیں بتایا کہ طفیل صاحب نے خطوط کا معاوضہ بھجوایا تھا۔ نثار احمد فاروقی کو تاکید کی تھی کہ وہ یہ رقم آپ کو پہنچا دے۔ مالک رام صاحب کا جواب نفی میں سن کر نہ ڈاکٹر محمد حسن صاحب کو حیرت ہوئی نہ مجھے۔

جب اکبر علی خاں کا خواب چکنا چور ہو گیا تو وہ غصہ سے پاگل ہو گئے۔ پہلا کام اکبر علی خاں نے یہ کیا کہ ہندوستانی پارلیامنٹ میں کسی رکن کے توسط سے یہ سوال اٹھوایا کہ "دیوانِ غالب بخطِ غالب" جو ہندوستان میں دریافت ہوا پاکستان میں کیوں کر شائع ہوا۔ یہ خبر ہمارے ہاں روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوئی۔ اکبر علی خاں کا خیال تھا کہ یہ کام نثار احمد فاروقی کا ہے اور وہ حکومت ہند کے معتوب ہوں گے اور ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اکبر علی خاں نہیں جانتے کہ ان کے تو صرف ہاتھ لمبے ہیں حضرت نثار احمد فاروقی کے تو

ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی لمبی ہیں۔

جب اکبر علی خاں نے دیکھا کہ ان کا یہ وار خالی گیا اور وہ مالی فوائد بھی حاصل نہیں ہو سکے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ دیوانِ غالب بخطِ غالب کا اصلی نسخہ پاکستان سمگل ہو گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل نسخہ انہی کے پاس ہے وہ کتنے اور کیسے دیانت دار انسان ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج کل رضا لائبریری رام پور میں بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں سے نہ جانے کتنی قدیم کتابیں اور مخطوطات غائب ہیں۔

میں نے ایک دن طفیل صاحب سے پوچھا ''آپ نے بیاضِ غالب (وہ اسے بیاضِ غالب کہنے ہی پر مُصر تھے) کے فوٹو سٹیٹ نثار احمد فاروقی سے کیوں طلب نہیں کئے تھے''؟

''اکبر علی خاں کا شرائط نامہ تو تم حکیم صاحب کے گھر پڑھ چکے ہو۔ اگر میں فاروقی کو لکھتا تو وہ اس سے سو گنا زیادہ قیمت طلب کرتا۔ میں تو اکبر علی خاں کی ہی شرائط پوری نہیں کر سکتا تھا''۔ نثار احمد فاروقی کی شرائط کہاں سے پوری کرتا۔ تمہارے سامنے پچاس نسخے نقوش کے اور پانچ ہزار نقد دیئے مگر وہ اس سے خوش نہ ہوا ہوگا۔ یہ کسی اور وقت کام دکھائے گا'' اور حقیقت یہ ہے کہ فاروقی نے کام دکھایا۔

جب طفیل صاحب رسول نمبر شائع کر رہے تھے تو انہوں نے ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ہوائی جہاز کے ذریعے دلی بھجوائیں۔ کرایہ بھی خود ادا کیا جب کتابیں دلی پہنچ گئیں تو نثار احمد فاروقی نے انہیں لکھا کہ ''دس ہزار روپیہ اور بھیجو تو مضمون بھیجوں گا اور لکھواؤں گا''۔ طفیل صاحب نے اس مطالبہ کے بعد کبھی فاروقی سے بات کرنا بھی پسند نہ کیا۔ مرحوم کو آخری لمحہ تک یہ افسوس رہا کہ نقوش جس میں ''بیاضِ غالب بخطِ غالب'' شائع ہوئی وہ اشخاص اور اداروں کو نہیں پہنچا۔ نثار احمد فاروقی لاہور آئے ضرور مگر

قیام ہوٹل میں کیا۔

اکبر علی خاں نے اپنے ظرف کا اظہار اس طرح کیا کہ دیوانِ غالب بخطِ غالب کا ایک نسخہ کراچی میں ایک صاحب کو بھیجا۔ اس پر نہایت گھٹیا اور لغو عبارت لکھی۔ اب یہ نسخہ غالب لائبریری میں محفوظ ہے۔ مرزا ظفر الحسن صاحب مرحوم سے گھر جا کر درخواست کی اور کئی خط لکھے کہ وہ نسخہ مجھے دے دیں میں ان کو اپنا نسخہ دے دوں گا مگر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔ وہ طفیل صاحب سے ناراض تھے کہ تبصرہ کے لئے جو کتابیں آتی ہیں وہ غالب لائبریری کو کیوں نہیں بھیجتے۔ طفیل صاحب کا کہنا تھا کہ جو ادارہ غالبؔ کے نام سے منسوب ہے اس میں کتابیں ہی ہونی چاہئیں ورنہ ڈھیر تو ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ اس ایک بات سے دونوں کے مزاج کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

سن ۱۹۷۰ء میں سید عارف شاہ گیلانی کی کتاب ''شہنشاہِ سخن'' شائع ہوئی اس کے صفحہ ۲۷/۲۸ پر مندرجہ ذیل عبارت ہے:

''برسی کے سلسلہ میں شاعر سے متعلق ایک نادر ''نو دریافت'' کا اضافہ ہوا ہے' وہ ہے غالب کے اُردو دیوان کی اولین روایت کا قلمی نسخہ جس کو ہمارے شاعر نے ۱۸۱۶ء مطابق ۱۲۳۱ھ میں بقلم خود لکھا تھا اور جس کو ضائع کر دینے کا وہ وقتاً فوقتاً اعلان کرتا رہا۔ اس نسخہ کو نثار احمد فاروقی امروہوی سے حاصل کر کے محمد طفیل صاحب نے اکتوبر سن ۱۹۶۹ء میں نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم میں ادارہ ''فروغ اردو لاہور'' کی جانب سے بعنوان نو دریافت ''بیاضِ غالب' بخطِ غالب'' شائع کیا ہے''۔

گیلانی صاحب اگلے وقتوں کے محقق ہیں۔ انہوں نے سنی سنائی بات پر اعتبار کر لیا تحقیق کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن مندرجہ بالا عبارت پڑھ کر میں نے حضرت ڈاکٹر

نثار احمد فاروقی کو لکھا کہ یہ کیا قصہ ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کوئی ایسا لکھتا ہے تو لکھنے دو۔ ممکن ہے حضرت صاحب نے میرے خطوط چاک کر دیئے ہوں مگر میں نے ان کی ہر تحریر کو احتیاط سے رکھا ہے اور بعض خطوط تو میں رضا لائبریری رام پور میں محفوظ کرانا چاہتا ہوں تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں اور پرستاران غالب کو معلوم ہو کہ حضرت صاحب کے کمالات کیا اور کتنے ہیں۔

حضرت نثار احمد فاروقی چہار شنبہ ۱۷/جون ۱۹۷۰ء کو کراچی تشریف لے گئے تھے اور سہ شنبہ ۲۱/جولائی ۱۹۷۰ء کو کراچی سے لاہور کے لئے بذریعہ تیز گام روانہ ہوئے۔ اس دوران حضرت صاحب نے صرف ایک کام کیا کہ کراچی کے ادباء شعراء کو بتاتے رہے کہ ''دیوان غالب بخط غالب'' کے فوٹو انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے ہیں۔ یہاں چار باتیں غور طلب ہیں:

پہلی بات: ہفتہ ۱۶/جون ۱۹۷۰ء کو شام کے پانچ بجے میں' طفیل صاحب اور حضرت صاحب' جناب عبادت بریلوی کے گھر چائے پر مدعو تھے۔ وہاں سے اُٹھے تو صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے ہاں پہنچے۔ اس کے بعد وقار عظیم صاحب کے ہاں گئے لیکن حضرت نثار احمد فاروقی نے دیوان غالب بخط غالب کے فوٹو سٹیٹ کی فراہمی کے لیے ایک لفظ نہیں کہا۔

(ب) یک شنبہ' ۷/جون ۱۹۷۰ء کو محترم حمید احمد خاں صاحب کے گھر اور وہاں سے نکلے تو راہ میں سلیم اختر مل گئے۔ وہ اپنے گھر لے گئے' دبستان' کے دو نسخے دیئے باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن حضرت نثار احمد فاروقی نے دیوان غالب بخط غالب کے فوٹو اسٹیٹ کے سلسلہ میں ایک لفظ نہ کہا۔

(ج) سہ شنبہ ۹/جون ۱۹۷۰ء کو یحییٰ امجد صاحب نے لارڈ لاہور میں ڈنر پر مدعو کیا۔ میرے علاوہ طفیل بھائی' سید باقر رضوی اور مسعود اشعر (وہ اسی روز بذریعہ ہوائی

جہاز ملتان سے آئے تھے) موجود تھے لیکن حضرت نثار احمد فاروقی نے دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کے بارے میں ایک لفظ نہ کہا۔

(د) سہ شنبہ ۱۶/ جون ۱۹۷۰ء کو شیخ اکرام صاحب مرحوم نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ میرے علاوہ طفیل صاحب اور جناب حامد علی خاں صاحب بھی موجود تھے۔ بہت دیر گفتگو ہوئی مگر حضرت نثار احمد فاروقی نے دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی فراہمی کے سلسلہ میں ایک لفظ نہیں کہا۔

دوسری بات یہ کہ لاہور کے برعکس کراچی میں مختلف دعوتوں کے دوران حضرت نثار احمد فاروقی ۱۷/ جون ۱۹۷۰ء تا ۲۱ جولائی ۱۹۷۰ء یہ تاثر دیتے رہے کہ نقوش غالب نمبر دو میں جو کچھ شایع ہوا ہے وہ ان کا فراہم کردہ ہے۔ کراچی میں حضرت صاحب کا قیام ایک بہت بڑے بیورو کریٹ کے ہاں ہوتا ہے۔

اہلِ غرض کو کسی نے سمجھا دیا کہ بیورو کریٹ صاحب کی خوش نودی حاصل کرنے کے لئے حضرت نثار احمد فاروقی کی دعوت کی جائے۔ چنانچہ جب تک حضرت صاحب کراچی میں رہے اہلِ غرض حضرت صاحب کی آڑ میں بیوروکریٹ صاحب و رام رے کے لیے دعوتوں کا انتظام کرتے رہے۔ یہ باتیں مجھے کراچی جا کر معلوم ہوئیں۔

سب سے پہلے مشفق خواجہ صاحب نے مجھ سے فرمایا ''نثار احمد فاروقی کہتے تھے کہ انہوں نے دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو فراہم کئے تھے''۔ میں نے خواجہ صاحب کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہا کہ فرمان فتح پوری صاحب پہلے انسان ہیں جنہوں نے فوٹو سٹیٹ لاہور میں دیکھے تھے وہ بھی آپ کو صحیح بات بتا سکتے ہیں۔ پھر میں نے ان حضرات کے نام بتائے جن کی موجودگی میں فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کے سپرد کئے تھے۔

قیاس ہے کہ کسی دعوت میں سید عارف شاہ گیلانی نے حضرت نثار احمد فاروقی کی

تقریر سنی اور اعتبار کرلیا ورنہ کراچی کے اہلِ قلم میں سے کسی ایک نے بھی حضرت صاحب پر اعتبار نہ کیا اور آج تک میرے ناقص علم کے مطابق اس سلسلہ میں ایک لفظ نہیں لکھا۔

تیسری بات یہ کہ حضرت نثار احمد فاروقی کی کتاب "تلاشِ غالب" لاہور سے مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی اور حضرت صاحب نے اپریل ۱۹۶۹ء کے آخر میں اپنا مضمون "دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ" شامل کتاب کرنے کے لیے بھیجا تھا انہوں نے دیوانِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ کی طفیل صاحب کو فراہمی کے سلسلہ میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ اگر وہ یہ کہتے کہ نقوش میں بیاضِ غالب وہ چھپوا رہے ہیں تو انہیں ایسا کرنے سے کون روک سکتا تھا۔

تلاشِ غالب کا دوسرا ایڈیشن دلی سے مئی ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی ایک مضمون "دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ" ایک نودریافت نادر مخطوطہ موجود ہے۔ صفحہ ۲۶۵ ملاحظہ فرمائیے۔ دیوانِ غالب: نسخۂ امروہہ کیفیت اور غیر مطبوعہ کلام صفحہ ۳۷۶ خالی ہے اور فہرست میں نسخۂ امروہہ کیفیت اور غیر مطبوعہ کلام شامل نہیں ہے۔

اس مضمون میں بھی حضرت صاحب نے ایک لفظ نہیں لکھا کہ نقوش میں دیوانِ غالب بخط غالب شائع کرا رہے ہیں۔ چوتھی بات: آج تک حضرت نثار احمد فاروقی نے اپنی کسی تحریر میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ دیوانِ غالب بخط غالب کے عکس انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے تھے۔ میرے پاس تو ان کی تحریر موجود ہے کہ کس تاریخ کو فوٹو اسٹیٹ انہوں نے میرے لئے اپنے چچا کو بھیجے تھے۔

طفیل صاحب تو حضرت نثار احمد فاروقی کی پرورش زمانہ طالب علمی سے کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تو براہِ راست فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو بھیج سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا اس لئے نہیں کیا کہ اکبر علی خاں ہی کی طرح وہ بھی طفیل مرحوم سے زیادہ سے مالی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے اور جب انہیں یہ علم ہو گیا کہ طفیل صاحب کو فوٹو اسٹیٹ مل چکے ہیں تو اکبر علی خاں ہی کی طرح نثار احمد فاروقی کو بھی مایوسی ہوئی۔ حواشی لکھنے اور دریافت کی کہانی

کی کتنی بڑی قیمت انہوں نے حاصل کی اس کا کچھ حال گزشتہ صفحات میں لکھ چکا ہوں۔

اکبر علی خاں نے رام پور میں سہ پہر کو چھپنے والے کسی روزنامہ میں وہ زبان استعمال کی جسے شرفا تو کیا رام پور کے کمین بھی استعمال نہیں کرتے۔ اکبر علی خاں نے مجھے لکھا "اللہ اللہ ملتان میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ دیوانِ غالب کے عکس فراہم کر سکیں" وغیرہ۔ اُن کے خط ابھی محفوظ ہیں اور وقت پر شائع کیے جائیں گے۔

۱۹۷۸ء بی بی سی لندن سے ایک پروگرام ہوتا تھا "کتب خانہ"۔ اب اسی نام سے سعد پبلی کیشنز کراچی نے اپریل ۱۹۸۵ء میں کتاب شائع کی ہے۔ اس کے مصنف رضا علی عابدی ہیں۔ فہرست میں ایک عنوان ہے "غالب کوئے ملامت میں" صفحہ ۱۵۱ پر عابدی صاحب لکھتے ہیں:

> "اب ضرورت تھی کہ بیاض غالب کے اصل نسخے پر ماہرین کی تحقیق شروع ہوا اور غالبؔ کی شاعری پر پڑے ہوئے باریک اور دبیز سارے ہی پردے اٹھیں مگر ڈرامے کا پردہ جتنی شان سے اٹھا تھا اتنی ہی خاموشی اور پُر اسرار خاموشی سے گر پڑا دیوان غالب لاپتہ ہو گیا اور یہ حال اب سی حال نہیں کھلتا کہ وہ کہاں ہے؟ کس کے پاس ہے؟ کون اُسے چھپائے بیٹھا ہے اور اُسے چھپانے میں کیا مصلحت ہے؟"

ماہرین کی تحقیق کا کچھ حصہ تو شائع ہو چکا ہے۔ کچھ تحریریں میں جمع کر رہا ہوں اور جلد کتاب شائع ہو گی۔ غالب کی شاعری پر باریک اور دبیز پردے کبھی نہیں پڑے تھے باریک اور دبیز نقاب جن چہروں پر پڑی ہوئی ہیں وہ ضرور اٹھنی چاہئیں تا کہ غالب کو کوئے ملامت میں نہ جانا پڑے۔

رضا علی عابدی صاحب دیوانِ غالب بخطِ غالب' کی دریافت کو ڈرامہ کہتے

ہیں اور انہوں نے اس ڈرامہ کے کئی کرداروں کا ذکر کیا ہے لیکن افسوس کہ اگر ڈرامہ ہے تو اس ڈرامے کے سب سے بڑے کردار حضرت نثار احمد فاروقی کے رول کے بارے میں عابدی صاحب کی لاعلمی حیرت انگیز ہے۔ حضرت نثار احمد فاروقی تو پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے توفیق احمد کی سادگی سے فائدہ اٹھایا اور اولین فرصت میں فوٹو اسٹیٹ حاصل کر لئے۔ حضرت صاحب نے لکھا:

> ''یہ اطلاع ۱۷/۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء کو انگریزی' اُردو' ہندی اور دوسری زبانوں کے اخبارات میں چھپی اور آل انڈیا ریڈیو نے اسے خبرنامہ میں نشر کی اسی دن توفیق احمد صاحب یہ نسخہ لے کر میرے پاس دہلی پہنچے''۔ (تلاش غالب' صفحہ ۲۵۴ (کتابیات لاہور)

حضرت صاحب نے بقول عابد رضا بیدار ''استفادہ'' کیا یعنی فوٹو اسٹیٹ بنوائے اور اس قدر تیزی دکھائی کہ اس کا تفصیلی تعارف لکھ کر'' تلاشِ غالب'' میں اشاعت کے لئے بھیج رہا ہوں'' تحریر فرمایا۔ [تلاشِ غالب' صفحہ ۲۰۴ (کتابیات لاہور)]

وہ یہ بھی لکھ سکتے تھے کہ دیوانِ غالب بخطِ غالب کو تفصیلی تعارف کے ساتھ نقوش میں اشاعت کے لئے بھیج رہے ہیں۔ انہیں ایسا لکھنے سے کون روک سکتا تھا۔

رضا علی عابدی صاحب اتنے اہم اور اتنے بڑے کردار کو نظر انداز کر گئے ہیں۔

یہ تفصیلی تعارف دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے بغیر نہیں لکھا جا سکتا تھا۔

دیوانِ غالب لاپتہ نہیں ہوا۔ میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اکبر علی خاں کے پاس ہے اکبر علی خاں نے اسے چھپا رکھا ہے۔ اس کے چھپانے میں دو باتیں پوشیدہ ہیں۔

اوّل یہ اکبر علی خاں کو جب بھی موقع ملا وہ یورپی ممالک کے کسی ادارے کو

فروخت کردیں گے جس سے وہ زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ اٹھاسکیں دوسرے یہ کہ اگر اکبرعلی خاں کو مالی فائدہ نہیں پہنچا تو دوسروں کو کیوں پہنچے۔

کتب خانہ کے صفحہ ۱۵ پر عابدی صاحب نے لکھا" اب شور اٹھا کر بیاضِ غالب اسمگل ہو کر پاکستان چلی گئی"۔ یہ افواہ اکبر علی خاں نے اس وقت اُڑائی جب انہیں یہ علم ہوا کہ" بیاضِ غالب بخط غالب" تو نقوش میں شائع ہو گئی۔ طفیل صاحب نے ان کی شرائط پوری کئے بغیر ہی دیوانِ غالب بخط غالب شائع کر دیا تھا۔ دوم یہ کہ اوّلیت بھی نقوش کو حاصل ہوئی۔ اکبر علی خاں اگر یہ افواہ بھی نہ اُڑاتے تو کیا کرتے۔ بے چارے اکبر علی خاں کو ایک پیسہ نہ ملا حضرت نثار احمد فاروقی تو پھر بہت اچھے رہے۔ حواشی لکھنے کے پانچ ہزار نقد وصول کئے۔ پچاس نسخے بھی نقوش کے اپنے لئے اور تین سو نسخے جو مختلف اداروں اور اشخاص کو دینے تھے انہیں ہضم کر لیا۔ توفیق احمد اور مالک رام صاحب کے لئے جو رقم طفیل صاحب نے دی تھی اسے ہضم کر لیا۔ اکبر علی خاں اگر دیوانِ غالب بخط غالب کو غائب نہ کر دیتے تو کیا کرتے۔ ایک روایت یہ ہے کہ توفیق احمد چند لوگوں کو ساتھ لے کر مرحوم امتیاز علی خاں عرشی صاحب کے پاس گیا' رویا' گڑگڑایا کہ اکبر علی خاں سے دیوانِ غالب بخط غالب کا مسودہ دلوادیں' عرشی صاحب شریف انسان تھے۔ انہوں نے بیٹے سے درخواست کی (حکم وہ اکبر علی خاں کو نہیں دے سکتے تھے) کہ "دیوانِ غالب دے دو" اکبر علی خاں اس شرط پر آمادہ ہوئے کہ انہیں تحریری رسید مل جائے تو وہ دیوانِ غالب لوٹا دیں گے۔ غریب توفیق احمد نے رسید لکھ دی اور اکبر علی خاں نے جوتے مار کر نکال دیا اس کے ایک ہی معنی ہیں کہ اگر توفیق احمد قانون کا دروازہ کھٹکھٹا ئیں تو اکبر علی خاں رسید پیش کریں ــــــ حالاں کہ توفیق نے جب دیوانِ غالب اکبر علی خاں کے سپرد کیا تھا تو کوئی رسید نہ لی تھی۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اکبر علی خاں اور حضرت نثار احمد فاروقی کے بارے میں چند باتیں اشارۃً طفیل صاحب کے خاکہ میں لکھی تھیں۔ یہ خاکہ سب سے پہلے اپریل

۱۹۸۲ء میں ''اہلِ قلم ملتان'' میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان محمد نقوش تھا۔ یہی خاکہ ڈاکٹر محمد حسن نے عصری ادب دلی میں شائع کیا اور دونوں باکمالوں کے نام اور اشارات کو کسی حد تک کاٹ دیئے اور مجھے لکھا ''دونوں اُودھم مچاتے'' تیسری مرتبہ یہ خاکہ ''محمد نقوش'' مرتبہ ڈاکٹر معین الرحمٰن میں شائع ہوا۔ معین صاحب کو دوسروں کے کام پر ہاتھ صاف کرنے کا جو سلیقہ آتا ہے وہ کیا کسی کو آئے گا۔ یہ الگ باب ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ محمد نقوش میں نے مرتب کی ہے معین صاحب نے نہیں۔ محمود عالم قریشی اور ڈاکٹر اختر کو سب حال معلوم ہے۔ میرے پاس کئی حضرات کے خطوط ہیں جنہوں نے یا تو مضمون لکھنے کا وعدہ کیا یا معذوری ظاہر کی۔ ایک بیگم صاحبہ کا نام بحیثیت مرتب کے چھپنا قرار پایا۔ میں نے طفیل بھائی سے کہا ''بسم اللہ کوئی حرج نہیں'' پھر خدا جانے کیا پیچ پڑا کہ معین صاحب کے نام سے یہ کتاب شائع ہوئی اور جب مسودہ ان کے پاس پہنچا تو حسبِ عادت اور حسبِ معمول انہوں نے قینچی سنبھالی' انہوں نے نہ صرف یہ کہ میرے خاکہ کا عنوان بدل دیا بلکہ اکبر علی خاں اور نثار احمد فاروقی سے متعلق باتوں میں سے بیشتر کو قلم زد کر دیا۔ کیوں کہ انہیں ''تحدیث نعمت'' ملنے میں دشواری ہوتی۔ محمد نقوش کو میں نے ہی محمد عمر خاں مالک و مہتمم کاروانِ ادب ملتان سے شائع کرایا تھا۔ ان چند سطور کے لئے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جو تفصیل اب میں نے لکھی ہے وہ اشارۃً طفیل صاحب کی زندگی میں لکھ چکا ہوں۔

بیگم طفیل' پروفیسر نذیر احمد' مسعود اشعر' سلطان صدیقی' ڈاکٹر سید سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر فرمان فتح پوری' صادق حسین اور کئی دیگر حضرات حیات ہیں۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ عزیزی جاوید طفیل مصر رہے' ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے وعدہ لیا کہ میں دیوانِ غالب بخط غالب'' کی اشاعت کی روداد لکھوں میں ان حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ رُوداد لکھوائی ورنہ نہ جانے کب تک یہ کام ٹلتا ہی رہتا۔ [ماہنامہ ''طلوعِ افکار'' کراچی مارچ اپریل ۱۹۸۹ء]

○

اگر آپ نے زیرِ نظر شمارے میں شائع شدہ تمام نگارشات براہِ راست حاصل کی ہیں تو اس کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے' کیوں کہ بھی نام جانے پہچانے اور معتبر ہیں خصوصاً لطیف الزماں خاں کا مضمون تو بہت ہی دلچسپ ہے۔

[قیصر تمکین (لندن) ماہ نامہ طلوعِ افکار کراچی' جولائی ۱۹۸۹ء]

''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کے حوالے سے لطیف الزماں خاں نے جن پردوں کو سرکایا ہے انہیں مزید الٹنے کی ابھی ضرورت باقی ہے' کیسے مفاد پرست ادب کے نام پر دھبے لگا رہے ہیں۔ [نصر ملک (کوپن ہیگن ڈنمارک) ماہ نامہ طلوعِ افکار' کراچی' جولائی ۱۹۸۹ء]

''۱۹/ جون کے کرم نامے کے لئے شکر گزار ہوں یہ جان کر اطمینان ہوا کہ آپ کو میرے دونوں خطوط جو مختلف پتوں پر لکھے گئے تھے مل گئے۔ مگر جواب آپ نے صرف تیسرے خط کا دیا۔ شکریہ۔ نہ میں نے یہ لکھا اور نہ چاہتا ہوں کہ میرے مضمون کے حوالے سے ''تعریفی خطوط آئیں تو آپ انہیں شائع فرمائیں۔ ضروری نہیں کہ توصیفی خطوط ہی آئیں اختلافی خط بھی آئیں تو انہیں پہلے جگہ دیجئے گا۔

آپ تقدیم و تاخیر کے قائل نہ ہوں مگر ادب میں تو یہ قصہ ہے۔ محمد حسن عمر میں تو مجھ سے چھوٹے ہیں ہاں علم کے اعتبار سے بڑے۔ آج بہادر گوڑ صاحب کو میں نہیں جانتا۔ پھر عرض کرتا ہوں کہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے اصل بات غالب کی تھی۔ میں نے کبھی کسی رسالہ میں نہیں پڑھا کہ غالب پر مضمون ہو اور اُسے اوّلیت نہ دی جائے۔ آپ کو یاد ہوگا گزشتہ سال فروری میں ''غالب کا سفرِ کلکتہ'' شائع ہوا جسے پڑھ کر آپ نے مجھے خط لکھا تھا۔ اس شمارے میں دیکھئے کئی ''عمر رسیدہ لوگ ہیں'' لیکن غالب کی وجہ سے کشور ناہید نے اُسے اہمیت اور اوّلیت دی۔

خیر اب قصہ کو ختم کیجئے۔ آپ نے شائع کر دیا یہی غنیمت ہے۔ ورنہ دو سال قبل اس مضمون کو لکھا تھا اور کسی سے کیا شکوہ وہ ہمارے مسجد بھائی محمد علی صدیقی اور حسن عابد نے ارتقا میں شائع کرنا پسند نہ کیا اور آپ کو دے دیا تھا صرف اس لئے کہ وہ طلوع افکار کو ''اپنا پرچہ'' سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر شارب ردولوی کا خط دلّی سے آیا ہے۔ رسالہ آپ نے رجسٹری سے بھیجا۔ میرا مضمون پڑھا تو رات بھر نیند نہیں آئی۔ شارب بہت ہی شریف انسان ہیں اتنے شریف کہ دلّی میں رہ کر انسان کو اتنا شریف نہیں ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نہ ہوں نہ سہی ڈاکٹر محمد حسن تو ہوں۔ معلوم نہیں آپ نے کن کن حضرات کو پرچہ بھیجا۔ ہندوستان میں دو اصحاب کو پرچہ جاتا تو اچھا تھا مالک رام صاحب اور رشید حسن خاں صاحب کو مضمون میں جن حضرات کے حوالے سے باتیں آئی ہیں انہیں کو پرچہ ضرور پہنچنا چاہئے۔ سید سجاد باقر رضوی، مسعود اشعر (پتہ وہی ہے جو مضمون میں آیا ہے) عبادت صاحب، جاوید طفیل، ڈاکٹر سلیم اختر وغیرہ آپ صرف اتنا بتا دیجئے کہ کن کن حضرات کو آپ نے رسالہ بھیجا ہے جو رہ گئے ہوں گے انہیں میں بھیج دوں گا''۔

میں ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہوں۔ اُردو کے تین دروغ گو۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی تو حضرت ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ہیں مضمون آپ نے شائع کر دیا۔ دوسرے صاحب ہیں ڈاکٹر معین الرحمٰن صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج لاہور۔ ان کے سلسلہ میں تین مضامین لکھنے ہیں (۱) غالب کے حوالے سے۔ کہ موصوف نے مخمور سعیدی کے دستنبو ترجمہ کو اپنے نام سے شائع کر رکھا ہے۔ (۲) دوسرا مضمون رشید احمد صدیقی صاحب کے حوالے سے کہ معین صاحب نے رشید صاحب کے انتقال کے بعد ان کی تحریروں کو اپنے نام سے شائع کیا ہے اور ان کے ساتھ جعلی تصویر بنائی اور چھاپی ہے۔ تیسرا مضمون ''محمد نقوش'' کے حوالے سے کہ یہ کتاب انہوں نے نہیں میں نے مرتب کی ہے۔ تیسرے دروغ گو آں

احمد سرور صاحب ہیں۔ [لطیف الزماں خاں (ملتان) ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۸۹ء]

آپ کا ۱۲/۲ جولائی کا کرم نامہ مل گیا۔ یاد فرمائی کے لئے شکر گزار ہوں۔ آپ کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ آپ معروف زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ مجھے تو خوشی اس بات کی ہے کہ دیر ہی سے سہی آپ خط کا جواب دیتے ہیں۔ اہل کراچی کم لاہور کے کمتر اور ہندوستان کے احباب بالکل جواب دینے کے عادی نہیں ہیں۔ میری پریشانی یہ ہے کہ ایک عجیب شہر میں رہتا ہوں نہ ہم زباں نہ ہم خیال۔ اس معقول بستی میں ایک شخص ایسا نہیں جس سے ادب پر سلیقہ کی گفتگو ہو سکے۔ جب کسی کا خط آتا ہے تو تنہائی کا احساس کم ہوتا ہے۔ جواب لکھ کر پھر خط کا انتظار کرنے لگتا ہوں۔

اب آپ نے اجازت دے دی ہے تو مضامین لکھوں گا اور بھیجتا رہوں گا۔

وہ شمارہ جس میں دیوان غالب بخط غالب روداد اشاعت شائع ہوا ہے آپ جتنے پرچے آسانی بھیج سکتے ہوں بھیج دیجئے میں ان تمام اصحاب کو جن کا اس میں ذکر آیا ہے بھیج دوں گا۔ اس نوازش کے لئے پیشگی شکریہ قبول فرمایئے۔

[لطیف الزماں خاں (ملتان) ماہنامہ طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۸۹ء]

لطیف الزماں خاں کا مضمون ''دیوانِ غالب بخط غالب'' بہت سے نامعلوم گوشواروں پر روشنی ڈالتا ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ توفیق احمد قادری امروہوی کے حاصل کردہ مخطوطے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نثار احمد فاروقی نے نقوش کو دی تھی۔ محمد طفیل صاحب مرحوم سے میرے مراسم ۱۹۵۶ء سے تھے اور اس وقت سے نقوش میرے پاس باقاعدگی سے آتا تھا۔ غالب نمبر حصہ دوم سے نو دریافت بیاض غالب کا ایک نسخہ بھی میرے پاس براہ راست لاہور سے آیا تھا میں نے طفیل صاحب سے اس سلسلہ میں کبھی دریافت نہیں کیا' غالباً ۷۰ء میں توفیق احمد قادری اپنے مقدمے کے سلسلہ میں کسی وکیل سے مشورہ کرنے پٹنہ (بہار) آئے تو انہوں نے میرے یہاں قیام فرمایا اُن دنوں

میں پٹنہ میں تھا دہلی میں کسی نے انہیں میرا پتہ دیا تھا وہ نثار احمد فاروقی اور عرشی زادہ اکبر علی خاں' دونوں سے بہت برہم تھے اور ان کا خیال تھا کہ ان دونوں میں سے کسی نے ان کا مخطوطہ ''نقوش'' کو دے کر بڑی رقم حاصل کی ہے اور انہیں پھوٹی کوڑی تک نہیں دی' وہ مخطوطے کی بازیافت کے سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کر رہے تھے پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔لطیف الزماں خاں کا یہ مضمون کوہسار جرنل (بھاگل پور' بہار) نے بھی آپ کے یہاں سے نقل کیا ہے اس مضمون کا ذکر دہلی میں بھی کئی دوستوں نے کیا۔

[مظہر امام (سری نگر بھارت) ماہ نامہ''طلوع افکار'' کراچی' نومبر ۱۹۸۹ء]

''میرے محترم دوست پروفیسر لطیف الزماں خاں کا اصرار ہے کہ میں ''طلوع افکار'' کے کسی سابقہ شمارے میں ان کا مقالہ ''دیوان غالب بخطِ غالب'' ضرور پڑھوں' اب اگر آپ وہ پرچہ بھیج دیں تو بڑا اکرم ہوگا''۔ [نظیر صدیقی' ماہ نامہ طلوع افکار' کراچی' دسمبر ۱۹۸۹ء]

''دیوانِ غالب بخطِ غالب' روداد اشاعت کے بارے میں انفرادی طور پر ڈاکٹر جمیل جالبی' ڈاکٹر فرمان فتح پوری' ولی سے ڈاکٹر قمر رئیس' ڈاکٹر شارب' ڈاکٹر محمد حسن کے خطوط آئے ہیں محمد حسن صاحب نے لکھا ہے ''آپ کے مضمون نے ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا ہے'' علی گڑھ سے بھی خط آیا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس مضمون کو شان ہند دہلی نے آپ سے اجازت کے بغیر شائع کیا ہے''۔ [لطیف الزماں خاں' ماہ نامہ طلوع افکار' کراچی' دسمبر ۱۹۸۹ء]

لطیف الزماں خاں صاحب کے مضمون کا تذکرہ بعض دوسرے احباب نے بھی کیا ہے' میں نے وہ مضمون نہیں دیکھا' نہ دیکھنا چاہتا ہوں میں نے اپنی طرف سے انہیں معاف کر دیا ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُن سے مواخذہ نہ کرے۔

ہر کہ مارا یار نبوذ' ایزد اُورا یار باد   وان کہ مارا رنجہ دارد' راحتش بسیار باد
ہر کہ اُو خارے نہد در راہِ ما از دشمنی   ہر گُلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

اگر میری کوئی غلطی ہے تو میزانِ عدالت ایک دن نصب ہونی ہے اور وہ دن زیادہ دور بھی نہیں ہوسکتا۔ [نثار احمد فاروقی بنام سید انیس شاہ جیلانی ۱۵/فروری ۱۹۹۰ء]

''طلوعِ افکار کے کسی شمارے میں (اس پر نہ شمارہ ہے نہ مہینہ نہ سن) کینیڈا سے محترمہ تسیم سید نے میرے مضمون ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' رودادِ اشاعت کو سراہا۔ میں ان کا شکر گزار۔ وہ لکھتی ہیں:

''لیکن مضمون میں ایک ''کلرک'' کا حقارت آمیز تذکرہ بہت کھلا''۔

میرے پاس محترمہ تسیم سید کا پتہ نہیں ہے ورنہ براہِ راست انہیں لکھتا۔ اب آپ کے توسط سے بعض باتوں کی تشریح ضروری ہے۔ میری سات پشت میں کوئی جاگیردار نہیں ہوا میری ذہنیت جاگیردارانہ کیوں کر ہوسکتی ہے۔ ساری عمر محنت مزدوری کی ہے اور سیلف میڈ انسان کی ذہنیت کچھ اور ہو تو ہو جاگیردارانہ نہیں ہوتی۔ جن صاحب کے لئے لفظ ''کلرک'' استعمال کیا گیا ہے وہ ایک مقامی حوالہ تھا۔ ان کی ذہنیت کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ یوں بھی کینیڈا میں رہ کر یہاں کے کلرک کی ذہنیت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ کلرک صاحب وایا بھٹنڈا بی۔ اے ہیں' انگریزی میں ایم اے ہیں' شاعرِ اعظم ہیں' مہمان افسانہ نگار ہیں' خدا بھلا کرے ایک صاحب کا جو کانسٹیبل سے ڈاکٹر ہوئے پھر ایسی جماعت سے وابستہ ہوئے کہ اس کی آڑ لے کر جس کا جی چاہا پگڑی اُچھالتے رہے۔ اسی کانسٹیبل ڈاکٹر نے کلرک بادشاہ کو ادبی انعام دلوایا۔ گیارہ سال تک جب لوگ کوڑے کھا رہے تھے' خواتین تک ظلم و ستم کا شکار تھیں۔

وہ حبس تھا کہ لُو کی دُعا مانگتے تھے لوگ

ایسے عالم میں کلرک نے ٹوپی پہنی جس پر لکھا تھا ''ساختہ جماعت'' اس نے نہ صرف کلرکی کی اپنے لئے تعریفی کالم لکھوائے' اپنے نام کتابیں معنون کروائیں بلکہ دنیا کی سیر کر آیا اور جونہی جمہوریت کی صبح نمودار ہوئی وہ ترقی پسند بن گیا۔ خاتون محترم بتائیں

•ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی؟

میں محترمہ تسیم سید کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے لکھا ''ادب کی منڈی میں طرح طرح کی دھاندلیاں رواج پا رہی ہیں جن کی پردہ پوشی ایسے لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرتی ہے'' میں نے مضمون میں یہی کچھ تو کیا ہے کہ غالب کے نام پر کیسے کیسے لوگ کیا کر رہے ہیں۔ نسخۂ امروہہ، نسخۂ لاہور، نسخۂ بھوپال ثانی یا بیاضِ غالب بخطِ غالب ایک جعلی نسخہ ہے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر انصار اللہ نظر (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے اس کو جعلی قرار دیا پھر کمال احمد صدیقی نے پانچ سو صفحات کی کتاب ''بیاضِ غالب'' تحقیقی جائزہ شائع کی۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب نے احوال غالب (نیا ایڈیشن دلی) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس نسخہ کی مخالفت میں بڑی تعداد میں مضامین لکھے گئے اور حق میں بھی۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ میں بھی ایک کتاب کا ڈول ڈالوں گا اور بتاؤں گا کہ یہ نسخہ جعلی ہے تو کیوں! محترمہ تسیم سید نے جس مضمون کو سراہا اسی سلسلہ کی چند باتیں ملاحظہ فرمائیں:

سال گزشتہ جمعہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۹ء کی سہ پہر کو میں محمد طفیل مرحوم (مدیر نقوش) کے گھر بیگم طفیل کے پاس بیٹھا ہوا تھا ہم دونوں چائے پی رہے تھے انہوں نے بتایا کہ دلی سے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی آئے ہیں اور انہی کے گھر قیام ہے۔ طفیل صاحب نے اس وقت سے چپ سادھ لی تھی جب ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں ڈکارنے کے بعد نثار احمد فاروقی نے رسول نمبر کے لئے لکھنے کے دس ہزار روپے اور طلب کئے تھے۔ فاروقی صاحب دلی سے آتے قیام کہیں اور کرتے لیکن جب طفیل صاحب کا انتقال ہو گیا تو موصوف سیدھے ان کے ڈرائنگ روم میں اُترے۔

بیگم طفیل نے کہا ''میں تو ان سے ملی نہیں'' پھر ہم دونوں ان کے کارناموں پر باتیں کرتے رہے۔ بیگم طفیل علی الصبح نماز کے بعد سیر کرنے جاتی ہیں۔ فاروقی صاحب برآمدے میں منتظر رہتے کہ وہ سیر سے واپس آئیں تو یہ ہم کلام ہوں۔ بیگم طفیل بڑی وضعدار

اور خوددار خاتون ہیں جو سلوک نثار احمد فاروقی نے ان کے مرحوم شوہر سے کیا تھا وہ کیسے معاف کرسکتی تھیں انہوں نے بات کر کے نہ دی۔

یک شنبہ ۱۹/مارچ ۱۹۸۹ء کو نقوش کے دفتر میں میرے علاوہ طفیل صاحب کے صاحبزادے جاوید (اب نقوش کے ایڈیٹر) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور ڈاکٹر معین الرحمٰن صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج لاہور) موجود تھے۔ طفیل صاحب کی باتیں ہو رہی تھیں فاروقی صاحب نے بتایا کہ جامع مسجد دِلّی کے قریب رشید نامی ایک جلد ساز کی دکان تھی وہ لاہور آیا اور فاروقی صاحب کا رقعہ لایا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو مرحوم طفیل صاحب نے "بیاضِ غالب بخطِ غالب" کے پچاس نسخے اُسے دے دیے۔ دلی پہنچ کر کہنے لگا کہ کسٹم والے لُوٹ پڑے اور آدھے نسخے لے لئے اور پانچ سو روپے بھی۔ ایک فہرست بھی بھیجی تھی طفیل صاحب نے۔ اس میں کئی نام ایسے تھے جو میں نے کاٹ دیے۔ مثلاً عصمت چغتائی۔ بھلا عصمت کو غالب سے کیا تعلق"۔ میں نے جاوید کو اور جاوید نے مجھے دیکھا تو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

نقوش کے دفتر میں چودہ بنڈل کتابوں کے جمع تھے۔ میں نے اشارہ سے پوچھا اور عزیزی جاوید طفیل نے اشارہ سے جواب دیا کہ فاروقی صاحب کے ہیں۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کا قاعدہ یہ ہے کہ کراچی جائیں تو انجمن ترقی اردو سے لاہور میں مجلس ترقی ادب لاہور ثقافت اسلامیہ اقبال اکیڈمی بزم اقبال اسلام آباد جائیں تو مقتدرہ کی مطبوعات مفت حاصل کرتے۔

۱۹/مارچ کی شب کو دس بجے کے قریب بیگم طفیل ان کی بہو زاہدہ بشریٰ عاشی اور نئی دُلہن۔ ہم سب قہقہے لگا رہے تھے۔ جاوید آئے اور شریک ہو گئے۔ نقوش کا تازہ شمارہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ یکا یک بیگم طفیل سنجیدہ ہو گئیں "کہہ دوں گی میں فاروقی سے یہاں نہ آیا کرے۔ آ جاتا ہے میرے بچوں کو لوٹنے کے لئے" میں تیزی سے اٹھا اور میز پر ان کے

سامنے بیٹھ گیا ''نہیں بھابی جان۔ آپ ایسا نہیں کریں گی یہ الفاظ نہیں کہیں گی'، وہ چپ تھیں اور افسردہ۔

نثار فاروقی آتے ہیں تو جاوید انہیں اپنا ہر کام چھوڑ کر کار میں لئے پھرتے ہیں۔ پاکستان میں وہ کہیں جائیں ان کے لئے ہوائی جہاز سے آمدورفت کا ٹکٹ منگاتے ہیں اور پھر ان کی ہر فرمائش پوری کرنے' میں کتابیں اب بھی ڈھیروں کے حساب سے جاوید ساتھ کر دیتے ہیں۔ تو جناب یہ ہیں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔

[لطیف الزماں خاں (ملتان) ماہنامہ ''طلوع افکار'' کراچی' مارچ ۱۹۹۰ء]

''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کے حوالے سے ایک خط روانہ کیا ہے اسے مضمون کا ضمیمہ خیال فرمائیے شائع کر دیجئے۔

[لطیف الزماں خاں (ملتان) ماہنامہ ''طلوع افکار'' کراچی' مارچ ۱۹۹۰ء]

'طلوع افکار' کے دو شمارے ملے ہیں۔ اس کرم فرمائی کے لیے شکر گزار ہوں۔

''کوہسار جرنل'' مل رہا ہو گا' آپ ''طلوع افکار'' باقاعدگی سے بھجوائیں' میں آپ کے لئے بھی برابر لکھوں گا۔ اس رسالہ کی ایک کاپی سب سے پہلے جوگندر پال صاحب نے مجھے بھیجی تھی۔ غالباً جون کا شمارہ تھا۔ اس میں شامل لطیف الزماں خاں صاحب کا مضمون میں نے ''کوہسار جرنل'' میں ڈائجسٹ کیا تھا۔ اس مضمون کو پڑھ کر ڈاکٹر گیان چند صاحب نے جو خط لکھا تھا' اسے نقل کر رہا ہوں تاکہ لطیف الزماں خاں اگر جواب دینا مناسب سمجھیں تو پہلے آپ چھاپ دیجئے' پھر میں شائع کر لوں گا۔ میں نے دو قسطوں میں یہ مضمون شائع کیا تھا۔

''لطیف الزماں خاں'' کا سلسلہ مضمون 'دیوانِ غالب بخطِ غالب' معلومات افزا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے یہ مضمون کہیں سے ڈائجسٹ کیا ہے یا پہلی بار آپ ہی کے پرچے میں چھپا ہے۔ ماہ جون کے پرچے میں صفحہ ۶ پر لکھا ہے کہ لطیف الزماں خاں کے عزیز

نے فوٹو گرافر سے محض ۶۳ صفحات کے عکس حاصل کئے اور طفیل صاحب کو دئے۔ اس کے بعد ان کا نثار احمد فاروقی کے اس بیان کی تردید کہ جملہ فوٹو انہوں (فاروقی) نے فراہم کئے ہیں، درست نہیں معلوم ہوتا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ نقوش کو فوٹو اور مقدمہ نثار احمد فاروقی صاحب ہی نے فراہم کیا۔

مضمون میں نثار احمد فاروقی اور اکبر علی خاں صاحبان کے خلاف شدید اعتراضات ہیں۔ ہمارے سامنے تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ مناسب ہوگا کہ ان دونوں حضرات کے بیان بھی حاصل کر کے شائع کر دئے جائیں۔

[ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (بھاگل پور، بہار) ماہنامہ ''طلوع افکار'' کراچی، مارچ ۱۹۹۰ء]

ہم کہاں کے دانشور ہیں، یہ اور بات کہ ہر جگہ داستانیں بکھری پڑی ہیں، مجھ میں سمیٹنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ تاہم میں کچھ مواد آپ کے لئے مرتب کرنے کے ارادے باندھ رہا ہوں یہ دیکھ کر کہ آپ لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ سن بھی لیتے ہیں اور کسی قطع و برید کے بغیر چھاپ بھی دیتے ہیں۔ یہ کمال اُردو دنیا میں کم کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ ''طلوع افکار'' مارچ ۱۹۹۰ء کا بے حد شکریہ۔

(۲)

میں ''طلوع افکار'' کے لئے لطیف الزماں خاں کے دو درجن خطوں کی ترتیب کی دھن میں ہوں، میری مراسلت نثار احمد فاروقی سے بھی ہے، کچھ باتیں بہر حال یک جا ہو جائیں گی مزے مزے کی۔ [سید انیس شاہ جیلانی، ماہنامہ ''طلوع افکار'' کراچی، مئی ۱۹۹۰ء]

آپ کا دوسرا خط بھی مل گیا تھا مگر مجھے آپ نے ''جواب آں غزل'' کے لئے دوڑا رکھا تھا، اس مکروہ کام میں بارہ دن صرف ہو گئے اب عذاب و ثواب سب آپ کی گردن پر۔ اسے پڑھئے اور از روئے انصاف اپنی رائے لکھئے منتظر رہوں گا، ایک زحمت اور دوں گا مجھے ''طلوع افکار'' کا پتا معلوم نہیں آپ اس مضمون کی Xerox کاپی اپنے پاس رکھ

لیں اور یہ مسودہ طلوعِ افکار کو بھیج دیں' خبر نہیں کہ وہ اسے چھاپیں گے یا نہیں اگر چھاپ دیں تو ان سے کہئے کہ ایک کاپی میرے پتے پر بھیج دیں۔

[نثار احمد فاروقی بنام انیس' ۲۲/جون ۱۹۹۰ء۔ اس خط کے ساتھ فاروقی صاحب کا مضمون "دیوانِ غالب بخطِ غالب" (روداد اشاعت) بھی وصول ہوا۔ اس کی اطلاع میں نے حسین انجم صاحب کو دی لیکن کوئی رسید نہ آئی' یہ مضمون فاروقی صاحب نے ہندوستان میں اشاعت کے لئے دے دیا' وہاں سے "طلوعِ افکار" میں نقل ہوا۔ انیس' ۷/نومبر ۱۹۹۷ء' محمد آباد]

نثار احمد فاروقی

دیوانِ غالب بخطِ غالب

رُوداد اشاعت

"طلوعِ افکار" کے مارچ' اپریل ۷۰ء کے شمارہ میں جناب لطیف الزماں خاں کا مضمون دیوانِ غالب بخطِ غالب (رُوداد اشاعت) کیا شائع ہوا کہ قارئین کے خطوط کا تانتا بندھ گیا اور یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ ادھر ہندوستان میں یہ مضمون شان ہند (دہلی) اور کوہسار (بھاگل پور) نے نقل کیا۔ اس طرح عرصہ تک اس کی گونج سنائی دیتی رہی۔ اب تقریباً سوا سال کے سکوت کے بعد اس مضمون کے حوالہ سے نثار احمد فاروقی صاحب کا جواب مضمون کتاب نما (دہلی) کے اگست ۹۰ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے اور کیونکہ

"لکل مبدا الیہ و جہان"

اس لئے ہم اسے کتاب نما کے شکریہ کے ساتھ اپنے قارئین کے لئے نقل کر رہے ہیں۔ یہ

۷۔اصفحات پر محیط پہلی قسط ہے ع

بستہ ام در خمِ گیسوئے تو اُمید دراز

ہمارے نزدیک یہ دونوں صاحبان بہت محترم ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ۔

نکتہ ہا رفت و شکایت کس ندید

جانب حرمت فرو نہ گزاشتم

(حسین انجم)

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

مارچ' اپریل ۱۹۸۹ء کے رسالہ ''طلوع افکار'' (کراچی) میں محترم لطیف الزماں خاں صاحب کا مضمون ''دیوانِ غالب بخط غالب' روداد اشاعت'' شائع ہوا۔ اسے دہلی کے ایک رسالے'' شانِ ہند'' کے علاوہ ''کوہسار'' (بھاگل پور) نے بھی وہاں سے نقل کیا۔ اسے پڑھ کر کچھ حاسدوں کے من میں تو لڈو پھوٹے' اور دوستوں نے شرماحضوری میں مجھ سے تذکرہ تک نہیں کیا۔ بعض احباب نے کہا بھی تو میں نے اُسے نہ پڑھنا ہی مناسب سمجھا۔ دراصل میرے دوستوں کو' جو مجھے جانتے ہیں میرے بیان صفائی کی ضرورت ہی نہیں۔ اور دشمنوں کو میری بات پر یقین کیوں آنے لگا' نہ اس لئے میں نے ''کشندہ کشندہ بودہ'' پر عمل کرنا چاہا۔ اور یہ نیت کرلی کہ نہ اس مضمون کو کھوج کر پڑھوں گا' نہ اس پر کچھ لکھوں گا۔ اس کا سبب یہ کہ لطیف الزماں صاحب سے کئی برس تک دوستانہ مراسلت رہی ہے' اور جس زمانے میں دیوانِ غالب بخط غالب دریافت ہوا ہے اس وقت تو شاید ہر ماہ ۸-۱۰ خطوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ جس شخص کو دس بارہ برس تک دوست سمجھا ہو' اس کے خلاف دشمنی یا توہین و تحقیر کے الفاظ میرے قلم سے نہیں نکل سکتے۔ اسی دیوانِ غالب کے سلسلے میں

جناب اکبر علی خاں عرشی زادہ نے میرے خلاف یہاں محاذ بنایا تھا' چھ ماہ تک اُردو' انگریزی اخباروں میں فرضی ناموں سے مضامین' مراسلات اور خبریں شائع کراتے رہے اور حکومت ہند کے مختلف محکموں کو (جو جرائم کی تفتیش کرتے ہیں) میرے خلاف متعدد درخواستیں بھجوائیں' تین بار پارلیمنٹ میں سوال کرائے۔ رام پور کے اخبار ''قومی جنگ'' کا تین چار صفحات کا ضمیمہ میرے خلاف لکھوادیا جس میں یہ تھا کہ میں اسمگلر ہوں' پاکستان کا جاسوس ہوں' وہاں میری لاکھوں کی جائیداد بن گئی ہے وغیرہ۔ وہ زمانہ بنگلہ دیش کی تحریک کے شباب کا تھا' دونوں ملکوں کے تعلقات سخت کشیدہ تھے اس لئے مجھے مجبور ہو کر ''قومی جنگ'' پر مقدمہ دائر کرنا پڑا جو دوڑھائی سال تک چلتا رہا۔ اس دور میں (۱۹۷۰ء-۱۹۷۱ء) ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے جس ذہنی کرب اور اذیت سے گزرنا پڑا' اس کیفیت کو اب میں زندہ کر کے نہیں دکھا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سوا کوئی اور ہوتا تو وہ ان تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ مگر میں نے کبھی اکبر علی خاں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں چھپوایا نہ کہیں ان کی شکایت لکھ کر بھیجی۔ (نجی خطوں میں کسی کو کچھ لکھا ہو تو اور بات ہے) میں آج بھی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ان کے طرزِ عمل کا مجھے افسوس ضرور رہے گا مگر ان سے نفرت یا کینہ میرے دل میں نہیں ہے (اس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں)۔

اسی طرح اب میرے کرم فرما لطیف الزماں خاں صاحب نے محاذ بنایا تو مجھے بہت رنج ہوا' مگر الحمد للہ نفرت یا کینہ ان سے بھی نہیں ہے ؎

شد است سینہ ظہوری پُر از محبت یار
برائے کینہ اغیار در دلم جانیست

دو ماہ قبل محترم سید انیس شاہ جیلانی (محمد آباد پاکستان) نے اپنے خط میں اس مضمون کا ذکر کیا تو میں نے انہیں لکھا کہ میں نے وہ مضمون نہیں پڑھا' اور پڑھنا بھی نہیں چاہتا۔ میں نے لطیف الزماں خاں صاحب کو معاف کیا اور میری دعا ہے کہ اللہ بھی ان سے

مواخذہ نہ کرے:

ہر کہ مارا یار نبوَد ایزد اُو را یار باد وانکہ مارا رنجہ دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ اُو خارے نہد در راہِ ما از دشمنی ہر گلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

(ترجمہ: جو ہمارا دوست نہیں' اللہ اس کا والی ہو جو ہمیں رنج دے اُسے بہت سی راحتیں نصیب ہوں۔ جو دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹے بچھائے اُس کے باغ زندگی میں ایسے پھول کھلیں جن میں کانٹا نہ ہو)

انیس صاحب نے لکھا کہ "مجھے یہ سادہ سنتوں کی سی باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں اور حقائق کے اظہار میں کوئی دشواری بھی نہیں ہونی چاہئے میں آپ کو اُس مضمون کا عکس بھیجوں گا" پھر انہوں نے اپنے ۳۰/اپریل ۱۹۹۰ء کے خط کے ساتھ "طلوع افکار" میں چھپے مضمون کی زیروکس کاپی ڈاک سے بھیج دی۔ میں نے وہ لفافہ کھولے بغیر میز کی دراز میں رکھ دیا اور اپنے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ ۱۸/جون ۱۹۹۰ء کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے اس لفافہ میں انیس صاحب کا خط بھی ہو اور انہوں نے کوئی جواب طلب بات لکھی ہو۔ چنانچہ اسے کھولا تو لامحالہ وہ مضمون بھی پڑھا' اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جن لطیف الزماں خاں صاحب سے میں واقف تھا وہ کوئی اور صاحب تھے' یہ کسی دوسری ہی شخصیت کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں اتنی اور ایسی غلط بیانیاں کی گئی ہیں کہ میں ششدر رہ گیا آخر کس بات کی تردید کروں؟

"دیوانِ غالب" کے بارے میں سب سے زیادہ مفصل اور مستند معلومات خود لطیف صاحب ہی کو ہونی چاہئے تھیں' مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انہوں نے تعصب' نفرت اور جذبہ' کردار کشی سے مجبور ہو کر ان حقائق کا چہرہ بھی مسخ کر دیا ہے جن میں وہ خود ایک اہم کردار رہے ہیں۔ دیوانِ غالب بخط غالب میری کلاہِ افتخار کا طرہ نہیں ہے' میرے پاس کام کرنے کے لئے دنیا کے بہت سے اہم موضوعات ہیں' جن پر ایک طائرانہ نگاہ بھی ڈالنا

ہوں تو عمر گریزاں کی فرصت چشمک برق سے زیادہ نظر نہیں آتی۔ میں نے لطیف صاحب کو لکھا تھا کہ یہ دیوانِ غالب آپ اپنے نام سے شائع کر لیں' مجھے خوشی ہو گی (اس کا حوالہ انہوں نے اپنے مضمون میں بھی دیا ہے' مگر اس وقت انہوں نے کسر نفسی کا مظاہرہ کیا' اگر وہ از راہِ دوستی مجھے یہ لکھتے کہ اسے طفیل صاحب کو دینے کا کریڈٹ وہ اپنے لئے رکھنا چاہتے ہیں تو دلوں کے بھید جاننے والا گواہ ہے کہ میں اس کا کریڈٹ ان کے لئے چھوڑ دیتا۔ انہیں حقائق کو توڑ مروڑ کر اتنے مضامین لکھنے اور اپنے دل کو نفرت و کدورت کا مزبلہ بنانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کراچی میں بعض احباب نے مجھ سے ملنے کے لیے جلسہ کیا تو وہاں یہ خواہش بھی کی کہ میں دیوانِ غالب بخطِ غالب کی کہانی بیان کروں۔ اس سارے قضیئے میں میری کامیابی کے دو اہم نکتے ہیں: ایک تو یہ کہ میں نے اس سے مالی منفعت حاصل کرنے کا لالچ نہیں کیا' میں نے اس دیوان کے معاوضے یا رائلٹی کے نام پر محمد طفیل مرحوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا' اور ان سے یہ کہا تھا کہ جب کبھی توفیق احمد راولپنڈی آ جائیں' اور ان کا لاہور آنا ہو تو' آپ جو مناسب سمجھیں انہیں دے دیجئے گا۔ اور مارچ ۱۹۹۰ء کو توفیق احمد پہلی بار لاہور گئے۔ میں نے عزیزم جاوید طفیل کو لکھا کہ میری طفیل صاحب سے یہ گفتگو ہوئی تھی' اب آپ جس طرح سوچیں وہ کریں۔ جاوید میں خدا کے فضل سے محمد طفیل مرحوم کی ساری خوبیاں موجود ہیں' بلکہ ایک دو صفات زائد بھی ہیں' انہوں نے توفیق احمد سے ایسا سلوک کیا کہ وہ خوش ہو کر واپس آئے اور جاوید کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر لطیف صاحب انہیں اب تک یہی لکھ رہے ہیں کہ تمہیں سب سے پہلے نثار احمد فاروقی نے دھوکا دیا اور لوٹ لیا۔ توفیق احمد مجھ سے ہی نہیں میرے خاندان سے بھی واقف ہیں' وہ ان کی باتوں کا کیسے یقین کرتے؟

دوسرا نکتہ یہ کہ میں نے اس قضیے میں نہ کبھی جھوٹ بولا' نہ بناوٹ سے کام لیا اور تفتیش کرنے والے سرکاری اداروں سے بھی وہی بات بیان کی جو سچ تھی۔ محکمہ تفتیش کا

ایک افسر تو مجھ سے یہ کہہ کر گیا کہ ''فلاں شخص کتنا جھوٹا آدمی ہے' میں ایسی رپورٹ لکھوں گا کہ یہ فائل ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے''۔

مجھے کبھی یہ وہم بھی نہ ہوا کہ ان سیدھی سچی باتوں کا کسی شخص پر کوئی منفی اثر ہو رہا ہے' کراچی کے جلسوں میں بھی حسب عادت میں نے سیدھی سادی کہانی بغیر نمک مرچ لگائے بیان کر دی' لطیف صاحب کو اس کی اطلاع اخباروں سے یا کسی اور ذریعہ سے ملی تو انہوں نے کسی سے اپنے غم و غصے کا اظہار کیا' مگر مجھے کچھ نہیں لکھا جو میں آئندہ احتیاط کرتا۔ صرف ایک بار اتنا لکھا تھا کہ ''مجھے کوئی جھوٹا ثابت نہیں کر سکتا'' اب جب کہ اس کہانی کے بعض اہم حصے طاقِ نسیاں کا گلدستہ بن چکے اور کئی اہم کردار (خصوصاً میرے دوست محمد طفیل ایڈیٹر نقوش) اس دنیا میں نہیں رہے تو لطیف صاحب نے ایک نئی داستان گھڑ کر اتنے وثوق اور اعتماد کے ساتھ سنائی ہے کہ غلط بیانی کے لئے اس سے زیادہ پُر اعتماد اور مضبوط موقف اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ :

دہرائی جا سکے گی نہ اب داستانِ عشق
کچھ وہ کہیں سے بھول چکے ہیں کہیں سے ہم

میں نے ابھی عرض کیا کہ دیوانِ غالب میرے لئے کوئی طرۂ افتخار نہیں ہے ورنہ میں لطیف صاحب کو اُن کے نام سے چھاپ لینے کی پیش کش کیوں کرتا؟ وہ تو اس وقت ''مقطع میں سخن گسترانہ بات' آ پڑی تھی''، اور وقار کا مسئلہ بن گیا تھا' اس لئے میں نے اتنی دلچسپی لی تھی۔ اگر اکبر علی صاحب کا رویہ دوستانہ رہتا۔ تو شاید یہ دیوان وہی شائع کرتے' مگر انہوں نے بھی مجھ پر اعتماد نہ کیا' اور اپنی روشنی طبع پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کر کے اپنا کام بگاڑ لیا۔ اس ساری رُوداد کا میں نے کوئی ریکارڈ بھی محفوظ نہیں رکھا۔ کچھ تھا تو وہ بعض ایسے دوستوں کو دے دیا جنہوں نے اس دیوان کی کہانی کا ارادہ ظاہر کیا۔ مجھ سے ایک آدھ بار لوگوں نے کچھ تفصیل معلوم کی تو میں اب بہت سی باتیں فراموش کر چکا تھا' اور یہ بھی یاد نہ رہا

تھا کہ وہ دیوان کیسے بھیجا گیا تھا لطیف صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے پھر کھوجنے پر لگادیا اور میرا حافظہ تازہ کردیا۔

لطیف صاحب کے مضمون میں اگر صرف اتنا ہی دعویٰ ہوتا کہ محمد طفیل مرحوم کو ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کا عکس انہوں نے فراہم کر کے دیا تھا تو میں اب بھی ان کی تردید میں قلم نہ اُٹھاتا۔ میں ان کی اُفتادِطبع سے کسی حد تک واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ میں اگر غلافِ کعبہ اوڑھ کر اور عرش و کرسی کے سامنے کھڑے ہو کر قسم کھاؤں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے تو وہ ہرگز تسلیم نہ کریں گے اور مزید تیکھے وار شروع کر دیں گے۔ انہوں نے میری کردار کشی کے لئے اتنا صریح اور سفید جھوٹ بولا کہ میں ماضی کے کباڑ خانہ کو کھنگالنے پر مجبور ہو گیا۔ اس میں ابھی بہت کچھ دفن پڑا ہے۔ مگر جتنا مواد ہاتھ آیا وہ ایسا تھا کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میں اپنے قلم سے ان کے خلاف کچھ لکھنے کے تکلیف دہ اور مکروہ کام سے بچ گیا۔ انہوں نے خود ہی اپنی تردید ایسی کردی کہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی نہ کر پاتا' اور اُن کے طفیل میں ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کی صحیح رُوداد اشاعت بھی سامنے آ گئی' جس کے لئے وہ ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں۔ اب یہاں جو کچھ لکھا جائے گا وہ سب لطیف الزماں خاں صاحب ہی کے الفاظ ہیں مجھے کچھ عرض کرنا ہوگا تو حاشیے میں لکھوں گا۔

مناسب ہوگا کہ میری بلکہ خود لطیف صاحب کی یہ تحریریں پڑھنے سے پہلے ان کا وہ طویل مضمون ایک بار پھر پڑھ لیا جائے جو پہلے ''طلوعِ افکار'' (کراچی) میں' پھر شانِ ہند (دہلی) اور کوہسار (بھاگل پور) میں چھپا تھا' میں سارا مضمون یہاں نہیں دہرا سکتا' چند اہم نکتے انتخاب کر کے ابتداء میں درج کرتا ہوں جس سے ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے مجھ پر کیسے الزام تراشے ہیں' جو کسی ایسے شخص کو زیب نہیں دیتے جس کا تعلق ایک تعلیم و تربیت کے ادارے سے رہا ہو۔ اگر یہ الزامات خود ان کی تحریروں سے ہی غلط ثابت ہو جائیں تو جو

باتیں رہ جائیں گی ان کی صحت بھی خود بخود مشکوک ہو جاتی ہے۔ اگر لطیف صاحب نے کوئی نیا لطیفہ چھوڑا تو ابھی فقیر کی زنبیل خالی نہیں ہوئی ہے۔

لطیف الزماں صاحب کے مضمون سے چند اہم تنقیحات

(۱) میں نے خط پڑھ کر کہا "یار طفیل صاحب ـــــ ہٹایئے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کر دوں گا۔ میں نے طفیل صاحب سے پوچھا: آپ نے نثار احمد فاروقی کو کیوں نہیں لکھا' وہ تو آپ کے زیادہ قریب ہیں"؟ کہنے لگے: وہ صرف روپے کے قریب ہے۔ اُسے صرف روپے سے پیار ہے نہ کسی انسان سے نہ کسی اور چیز سے یہ طالب علم تھا کسی لائبریری میں کلرک تھا میں نے غریب جان کر اس کی مالی مدد کی' لیکن مجھے بہت بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ انتہائی حریص انسان ہے"۔[1]

(۲) میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ میرے لئے دیوانِ

۱؎ محمد طفیل مرحوم سے لطیف صاحب کا تعارف میں نے کرایا تھا اور یہ پہلی بار ۱۶/۱ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو اُن سے ملے تھے۔ لطیف صاحب نے "کلرک" تحقیر کے لئے کہا ہے' میرے نزدیک یہ کوئی ننگ و عار والی بات نہیں۔ میں نے ۱۹۶۲ء میں اپنی ملازمت سے استعفا دے کر ایم اے (عربی) میں داخلہ لیا تو محمد طفیل نے میری طلب کے بغیر دو سال تک مجھے سو روپے ماہانہ بھجوائے۔ میں ان کا ممنون کرم تھا' اسی لئے کبھی کسی مضمون یا کسی خدمت کے لئے ان سے معاوضہ طلب کرنے کا مجھے خیال بھی نہیں آیا۔ بس اتنا ہوا کہ دو بار کے سوا میں پاکستان میں ان کا مہمان ہوتا تھا اور وہ مرحوم میزبانی کا حق ادا کر دیتے تھے۔ طفیل صاحب کے سوا اور کسی سے ایسی رائے کبھی ظاہر نہیں کی وہ مجھے "انتہائی حریص انسان" سمجھتے ہیں۔ اور میں یہ بھی کہوں گا کہ اس مرحوم نے میری کسی فرمائش کو رَد بھی نہیں کیا' خواہ وہ کسی دوسرے کے لئے ہو۔ اس کی متعدد مثالیں دے سکتا ہوں' اُن کی اس محبت کا یہ اثر تھا کہ لوگ سمجھتے تھے "نقوش" میرا ہی رسالہ ہے۔ اور اس میں تو شک نہیں کہ ادبی دنیا میں سب سے پہلے مجھے "نقوش" نے رُوشناس کرایا۔

غالب بخط غالب خرید لیں۔ میرے تاجر پیشہ عزیز نے سوچا کہ غالب کا دیوان تو مجھے آنے میں ملتا ہے مجھے ہزار میں کیوں خرید ا جائے؟ انہوں نے نہ خریدا اور وقت گزرتا رہا۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے ''دیوانِ غالب بخط غالب'' نہیں خریدا تو میں نے انہیں سخت اور دُرشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دو تین دن کی تلاش وجستجو کے بعد وہ اس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی خاں نے وہ دیوان غالب کے فوٹو اسٹیٹ بنوائے تھے اور اُسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات سے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے اس نے ترسیٹھ (۶۳) صفحات کے فوٹو اسٹیٹ رکھ لئے' اُن صفحات کو میرے عزیز نے منہ مانگے داموں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

(۳) جب فوٹو اسٹیٹ مجھے ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سید سجاد باقر رضوی صاحب سے ملنے چلا گیا وہاں ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے ''دیوانِ غالب بخط غالب'' کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دکھلائیں۔ ان سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان فراہم کردوں گا' وہی اسے شائع کریں گے۔

(۴) میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا' اور اطلاع دی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وُہ آ گئی ہے۔ طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا۔ چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ لفافہ اُن کے سامنے رکھ دیا۔ جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔ تھوڑی دیر جب بغور دیکھ چکے تو بولے: ''آپ دس ہزار روپے لے لیجئے''۔ میں نے کہا: طفیل صاحب آپ نے میرا دل دکھایا ہے' اگر دس ہزار روپے خرچ کرنا چاہتے ہیں تو پھر دتی سے منگا ئیے۔ اور اگر یاری ہے تو لے جائیے''۔

(۵) خط شکستہ پڑھے گا کون؟ طفیل صاحب نے پوچھا۔ میں نے کہا: اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔

(۶) ایک دن طفیلؔ صاحب کا ٹیلیفون آیا کہ وہ ’’تلاشِ غالب‘‘ میں شامل ’’دیوانِ غالب بخطِ غالب‘‘ کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ’’تلاشِ غالب‘‘ میں چھوار ہاتھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھیج چکے ہیں۔ معلوم ہو کہ فاروقی نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے۔ نیز یہ کہ وہ پورے دیوان کے حواشی لکھ چکے ہیں وہ بھی شامل اشاعت ہوں۔

(۷) نثار احمد فاروقی بڑے باکمال انسان ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوگیا کہ دیوان کے فوٹو اسٹیٹ طفیل صاحب کو مل گئے ہیں تو ایک جانب انہوں نے اپنا مضمون ’’دیوانِ غالب، بخطِ غالب‘‘ نسخۂ امروہہ اور حوالے وحواشی کی نقوش میں اشاعت کے لئے طفیل صاحب کو آمادہ کرلیا، دوسری جانب مجھ پر بھی کرم فرمایا۔۔۔۔

(۸) میرا خیال ہے کہ جو بھی سرمایہ کسی بھی شکل میں طفیل صاحب کے پاس اس زمانے میں موجود تھا اگر وہ سب کا سب اکبر علی خاں کو دیدیتے تب بھی شرائط پوری نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے کہا آپ دیوانِ غالب بخطِ غالب شائع کیجئے۔ تمام تر ذمے داری میری ہے؟

(۹) طفیل صاحب نقوش غالب نمبر حصہ دوم نو دریافت ’’بیاضِ غالب بخطِ غالب‘‘ شمارہ نمبر ۱۱۳/اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کرچکے تھے۔ ایک روز نثار احمد فاروقی کے چچا ابرار احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آ ؤ۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ ابرار احمد فاروقی صاحب نے ۔۔۔۔ دیوانِ غالب بخطِ غالب کے فوٹو اسٹیٹ اور ایک فلاسک میرے سپرد کیں۔ نثار احمد فاروقی نے لکھا تھا: ’’اسے آپ اپنے نام سے شائع کیجئے مجھے خوشی ہوگی‘‘۔ جو جال وہ بچھا رہے تھے میں اُس سے بے خبر تھا۔

(۱۰) ۱۵/جون ۱۹۷۰ء کو زندگی میں پہلی بار نثار احمد فاروقی سے طفیل صاحب کے گھر پر ملا۔ حضرتِ فاروقی ثابت کر رہے تھے کہ اکبر علی خاں ایک سازشی انسان ہے اور یہ کہ انہوں

نے توفیق احمد کو دھوکا دیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ خود انہوں نے جو فوٹو اسٹیٹ حاصل کئے کیا توفیق احمد کی اجازت تھی؟ یقیناً نثار احمد فاروقی نے توفیق احمد کو پہلے دھوکا دیا پھر اکبر علی خاں نے۔

(۱۱) ۲۲/ جولائی ۱۹۹۷ء کو طفیل صاحب نے تین سو شعراء ادباء اور اداروں کی ایک فہرست بنائی تب مجھے معلوم ہوا کہ نقوش کا شمارہ نمبر ۱۱۳ جس میں بیاضِ غالب بخطِ غالب شائع ہوئی ہندوستان بھیج رہے ہیں۔ طفیل صاحب نے فہرست حوالے کرتے ہوئے کہا: پچاس نسخے تمہارے ہیں' اس فہرست میں جن دوستوں اور اداروں کے نام ہیں ایک ایک نسخہ انہیں پہنچا دینا ——

(۱۲) طفیل صاحب نے کہا: تم نے حواشی لکھے یہ پانچ ہزار تمہاری محنت اور مضمون کا معاوضہ ہے۔ توفیق احمد ایک غریب آدمی ہے' اس نے ابتداء میں دیوانِ غالب کی قیمت چھ ہزار طلب کی تھی یہ چھ اسے دے دینا۔ مجھے ایک قرض بھی ادا کرنا ہے جب میں خطوط نمبر شائع کر رہا تھا تو مالک رام صاحب نے مجھے خطوط بھیجے تھے' مجھے انہیں کچھ رقم دینی ہے' گو انہوں نے طلب نہیں کی پھر بھی یہ آٹھ ہزار روپے مالک رام صاحب کو دے دینا۔ انتیس ہزار روپے طفیل مرحوم نے میری اور بھابی جان کی موجودگی میں دیے۔[1]

---

۱ لطیف صاحب نے جو بزم اپنے تخیل میں سجائی ہے اس میں بلاوجہ بھابی جان کو شریک کر لیا' ان کے سامنے کبھی ۱۹ پیسے کا بھی لین دین نہیں ہوا اور طفیل صاحب بھی کیسی ادائیگی کر رہے تھے کہ کسی دوسرے ذریعے سے توفیق احمد کو لکھا' نہ مالک رام صاحب کو اطلاع دی۔ اب بیس برس کے بعد لطیف صاحب کو اطلاع دی۔ اب بیس برس کے بعد لطیف صاحب اس کے عینی شاہد بن رہے ہیں۔ اس کے باوجود کہ لطیف صاحب نے دہلی میں انہیں یہ غلط اطلاع دی' مالک رام صاحب نے تقاضا کرنا تو کجا کبھی نہ مجھ سے پوچھا' نہ کسی سے اس بے ایمانی کی شکایت کی' اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے لطیف صاحب کی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

(۱۳) جمعہ ۲۴/جولائی ۱۹۷۵ (کذا) کو میں طفیل صاحب اور نثار احمد فاروقی گنڈا سنگھ

گزشتہ سے پیوستہ حاشیہ

باتوں کو لطیفے سے زیادہ نہیں سمجھا' ورنہ آٹھ ہزار ایسی معمولی رقم نہ تھی کہ اس پر خاموشی سے صبر کر لیا جاتا۔ ۱۹۷۰ء کے آٹھ ہزار تو آج کے اسی ہزار سے زیادہ تھے۔ "تلاشِ غالب" میں نے اشاعت کے لئے لطیف صاحب کو دی تھی' مگر یہ اتنی پر اغلاط چھپی کہ میرا اسے دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا' نہ کسی کو دکھائی' اس کے تین سو کیا تیس نسخے بھی مجھے نہیں ملے۔ کتاب کو پریس کے چنگل سے محمد طفیل مرحوم نے نقد ادائگی کر کے چھڑایا' لطیف صاحب نے پوری کتاب بیچ لی' اور ایک پیسہ مجھے رائلٹی کا نہیں دیا: نہ میں نے طلب کیا۔ اب میری اطلاع کے مطابق اسی سال رمضان میں اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کچھ کتابیں لاہور کے اداروں میں تحفتاً ملی تھیں' کچھ میں نے دفتر "نقوش" کے انبار میں سے نکالی تھیں' اور بہت ہی ~~تھوڑی خریدی تھیں' اُن کے چار کریٹ بنے تھے اور میں ڈر کے مارے صرف ایک کریٹ ساتھ لایا' تقریباً~~ تین سو کتابوں پر مشتمل تین کریٹ اردو بازار انارکلی لاہور کے ایک پرانے سے مکان کی بالائی منزل پر لطیف صاحب کی تحویل میں چھوڑ آیا تھا' پھر ان میں سے ایک کتاب بھی مجھ تک نہ پہنچ سکی۔ رہا یہ کہ میں نے تین سو نقوش تین سو روپے فی جلد کے حساب سے بیچ کھائے' تو لطیف صاحب نقوش کے دفتر سے وہ تین سو پتے فراہم کر دیں جنہیں نقوش بھیجا گیا تھا' اور میں نے نہیں پہنچایا۔ ان کے ہندوستانی عزیز اتنے مستعد ہیں کہ صرف تین دن کی تگ و دو سے ۸۵ لاکھ کی آبادی دلّی میں اس فوٹو گرافر کا پتہ نکال سکتے ہیں جس نے اکبر علی خاں کے لئے فوٹو اسٹیٹ تیار کئے تھے۔ میری گزارش ہے کہ انہیں کے ذریعہ تین سو افراد اور اداروں میں سے صرف تین کا سراغ لگوالیں جن کے ہاتھ میں نے "نقوش" غالب نمبر ۲ تین سو روپے میں بیچا ہو۔ یہ اطلاع بھی غلط ہے کہ میں نے "رسول نمبر" کے لئے دس ہزار طلب کئے تھے۔ کتابیں میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ ڈیڑھ دو ہزار سے زیادہ کی نہ تھیں۔ رسول نمبر' میں میری تین کتابیں اور وہ مضامین شامل ہیں۔ ایک بار حکومت پاکستان کا مہمان تھا اور لاہور ہلٹن Hilton میں میں ٹھہرایا گیا تھا یہ قیام چند گھنٹے سے زیادہ نہ رہا۔ طفیل صاحب وہیں ملنے کے لیے آئے ڈیڑھ دو گھنٹے لاؤنج میں بیٹھے چائے پیتے رہے' گپ کرتے رہے۔ چلتے وقت انہوں نے بڑے معصوم لہجے میں کہا: "بس اب گھر چلئے" میں نے اُس وقت ہوٹل کی چابیاں کاؤنٹر کے حوالے کر دیں اور اُن کے ساتھ آ گیا تھا۔

والا پہنچے۔ بڑے بڑے کرسٹیز جن میں نقوش غالب نمبر۲ کتابیں اور تلاشِ غالب کے تین سو نسخے نثار احمد فاروقی نے اتنی آسانی سے سرحد کے اس پار بھجوا دیئے کہ میں اور طفیل صاحب دیکھتے رہ گئے۔ طفیل صاحب نے بڑی معنی خیز ہنسی کے ساتھ کہا: اگر دس گُنا کتابیں ہوتیں اور تین کروڑ روپے ہوں تب بھی نثار احمد فاروقی بلا کھٹکے لے جائے گا۔ تم اسے نہیں جانتے''۔

(۱۴) نثار احمد فاروقی نے ہندوستان پہنچ کر ایک نسخہ بھی کسی شخص یا ادارے کو نہیں دیا۔ تمام نسخے تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے فروخت کر دیئے مجھے نہیں معلوم توفیق احمد صاحب کو چھے ہزار روپے دیے یا نہیں' البتہ مالک رام صاحب کو ایک پیسہ نہیں دیا۔

اگست ۱۹۸۳ء کو میں نے مالک رام سے پوچھا: کیا آٹھ ہزار روپے نثار احمد فاروقی نے آپ کو ادا کر دیئے؟ مالک رام صاحب نے کہا' نہیں مجھے تو انہوں نے ایک پیسہ نہیں دیا۔

(۱۵) میں نے ایک دن طفیل صاحب سے پوچھا: آپ نے بیاض غالب کے فوٹو اسٹیٹ نثار احمد فاروقی سے کیوں نہیں طلب کئے؟ کہنے لگے: ''اکبر علی خاں کی شرائط نامہ تو تم حکیم صاحب کے گھر پڑھ چکے ہو' اگر میں فاروقی کو لکھتا تو وہ اس سے سو گنا زیادہ قیمت طلب کرتا' میں تو اکبر علی خاں کی ہی شرائط پوری نہیں کر سکتا تھا نثار احمد فاروقی کی شرائط کہاں سے پوری کرتا؟ تمہارے سامنے پچاس نسخے نقوش کے اور پانچ ہزار نقد دیئے' مگر وہ اس سے خوش نہیں ہوا ہو گا' یہ کسی اور وقت کام دکھائے گا۔

(۱۶) جب طفیل صاحب ''رسول نمبر'' شائع کر رہے تھے تو انہوں نے ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر ہوائی جہاز کے ذریعے سے دلی بھجوائیں کرایہ بھی خود ادا کیا' جب کتابیں دلی پہنچ گئیں۔ تو نثار احمد فاروقی نے انہیں لکھا: دس ہزار روپے اور بھیجو تو مضمون بھیجوں گا' اور لکھواؤں گا'' طفیل صاحب نے اس مطالبے کے بعد کبھی فاروقی سے بات کرنا

بھی پسند نہ کیا' مرحوم کو آخری لمحے تک یہ افسوس رہا کہ نقوش' اشخاص اور اداروں کو نہیں پہنچا۔
نثار احمد فاروقی لاہور آئے ضرور مگر قیام ہوٹل میں کیا۔

(۱۷) گیلانی صاحب اگلے وقتوں کے محقق ہیں انہوں نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لیا۔ تحقیق کرنا مناسب نہ سمجھا ایک طویل فہرست دی ہے کہ نثار احمد فاروقی نے وقار عظیم' حمید احمد خاں' شیخ محمد اکرام' سلیم اختر وغیرہ سے ملاقاتوں میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ فوٹو اسٹیٹ انہوں نے فراہم کئے ہیں۔ یہ عجیب دلیل ہے اور اس میں تو دنیا کی آبادی کے پانچ ارب انسانوں کا نام اضافہ کیا جاسکتا ہے جن سے میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ گیلانی صاحب اگلے وقتوں کے ہوں گے' مگر آپ تو ماڈرن محقق ہیں' آپ سے بھی کسی نے کہا ہوگا کہ رضا لائبریری میں بڑے بڑے تالے پڑے ہیں اور وہاں سے کتنے ہی مخطوطات غائب ہیں۔ آپ نے سنی سنائی بات پر اعتبار کر لیا؟

(۱۸) کراچی میں حضرت کا قیام ایک بہت بڑے بیوروکریٹ کے ہاں ہوتا ہے اہل غرض کو کسی نے سمجھا دیا کہ بیوروکریٹ صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت نثار احمد فاروقی کی دعوت کی جائے۔ اہل غرض حضرت صاحب کی آڑ میں بیوروکریٹ صاحب کو رام کرنے کے لئے دعوتوں کا انتظام کرتے رہے۔

(یہ معلومات بھی ناقص ہیں۔ میں کراچی میں اپنے بھائی کا مہمان ہوتا ہوں۔ یہ اہل غرض کون ہیں؟ جو ان کو رام کرنے کے لئے میری دعوتوں کا انتظام کیا کرتے ہیں: ڈاکٹر جمیل جالبی' شان الحق حقی' ڈاکٹر اسلم فرخی' جناب مشفق خواجہ' جناب حمید الدین شاہد وغیرہ۔ لطیف صاحب نے ان حضرات کی اچھی عزت افزائی فرمائی)

(۱۹) جب انہیں یہ علم ہو گیا کہ طفیل صاحب کو فوٹو اسٹیٹ مل چکے ہیں تو اکبر علی خاں ہی کی طرح نثار احمد فاروقی کو مایوسی ہوئی۔

(مایوسی کیوں ہوئی؟ بقول آپ کے ۱۹ ہزار تو نقد مارے' نوے ہزار کے تین سو

نقوش پیجئے پچاس نسخے غالب نمبر ۲ کے الگ سے' ساڑھے چھے ہزار کی کتابیں منگوائیں۔ ایک لاکھ ساڑھے پندرہ ہزار تو بھی ہو گئے (وہ بھی ۱۹۷۰ء میں جب روپے کی قیمت آج سے دس گنی تھی) اور کیا کوہ نور اور تخت طاؤس طلب کرتا لاہور کا پتہ لکھواتا؟)

اس مضمون کی اشاعت کے بعد جولائی' نومبر اور دسمبر ۱۹۸۹ء کے ''طلوع افکار'' میں لطیف صاحب اور بعض دوسرے حضرات کے خطوط بھی چھپے ہیں ان سے چند اقتباسات۔

(۲۰) میں ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہوں ''اُردو کے تین دروغ گو'' اس سلسلے کی ایک کڑی تو حضرت ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ہیں' دوسرے صاحب ہیں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن' تیسرے دروغ گو آل احمد سرور صاحب ہیں۔'' (اکتوبر ۱۹۸۹ء)

(اس مضمون کے چھپنے کے بعد تو شاید اس تعداد میں کچھ اضافہ ناگزیر ہوگا! نثار)

''رشید نامی جلد ساز جب واپس جانے لگا تو مرحوم طفیل صاحب نے بیاض غالب بخط غالب کے پچاس نسخے اسے دیئے۔ ایک فہرست بھی بھیجی تھی طفیل صاحب نے۔ اس میں کئی نام ایسے تھے جو کاٹ دیئے مثلاً عصمت چغتائی' بھلا عصمت کو غالب سے کیا تعلق؟''

نثار احمد فاروقی آتے ہیں تو۔ پاکستان میں وہ کہیں جائیں ان کے لئے ہوائی جہاز سے آمد و رفت کا ٹکٹ منگاتے ہیں' اور پھر ان کی ہر فرمائش پوری کرتے ہیں۔ کتابیں تو اب بھی ڈھیروں کے حساب سے جاوید ساتھ کر دیتے ہیں۔

(رشید والے قصے کی وضاحت آگے نمبر (۲۷) پر آئے گی۔ نسخے (۵۰) نہیں (۲۹) بھیجے تھے۔ یہ میں نے نہیں کہا کہ عصمت کو غالب سے کیا تعلق؟ یہ کہا تھا کہ جتنے نسخے اس نے لاکر دیئے فہرست میں سے اتنے ہی لوگوں کو منتخب کر کے میں نے بھیج دیئے تھے۔ پاکستان میں صرف ایک بار جاوید نے لاہور سے کراچی کا آمد و رفت کا نہیں صرف ''رفت''

کا ٹکٹ منگا کر دیا ہے۔ ایک بار میں حکومت پاکستان کا مہمان ہو کر گیا تھا ایک اور بار سارے ٹکٹ ہندوستان سے خرید کر لے گیا تھا تین بار ریل سے گیا ہوں اور واپسی کے ٹکٹ محمد طفیل صاحب نے فراہم کئے ہیں۔ کتابیں تو جاوید آپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے ساتھ کر دیتے ہیں ورنہ میرا کتاب سے کیا علاقہ؟ ہندوستان لاکر میں وہ کتابیں بیچ کھاتا ہوں۔ واقعی انسان آخرت کی زندگی سے بے نیاز ہو جائے تو کچھ بھی کہہ سکتا ہے)۔

یہ لطیف الزماں خاں صاحب کے مطبوعہ مضمون اور اس سے متعلق ان کے خطوط کا "عطرِ مجموعہ" تھا کئی باتیں طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں اگر لطیف صاحب کی تسلی نہیں ہوگی تو اسی مضمون کو "بہ نسخہ کلاں" بھی لکھا جا سکتا ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

اب مندرجہ بالا الزامات کی تردید خود لطیف الزماں صاحب کے "خامۂ حقیقت نگار" سے ملاحظہ فرمایئے میری حیثیت صرف ناقل کی ہے۔ اقتباسات کے آخر میں قوسین کے اندر عبارت میری ہے۔ تو:

چل مرے خامے بسم اللہ

(۲۱) "دید و دریافت" کو میں نے ابھی ختم نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اچھی کتاب اگر جلد ختم ہو جائے تو پھر اس کے لطف سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں امید ہے کہ آپ برا نہ مانیں گے کتاب کو کسی شخص کے نام معنون کرنے کا میعار (کذا) کیا ہونا چاہیے؟ اس کا علم اس کی خدمات؟ ذاتی لگاؤ دوستی ذہنی رفاقت"۔

[مکتوب ۲۵/فروری ۱۹۶۸ء]

("دید و دریافت" میرے مضامین کا مجموعہ ہے جو ۱۹۶۳ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا اس کا انتساب محمد طفیل (ایڈیٹر نقوش کے نام تھا)۔

(۲۲) ڈاکٹر سید عبداللہ نے تو یہ غضب ڈھایا کہ ایک جانب مرزا ادیب۔ جیسے کمزور

انسان سے مقدمہ لکھوایا' حالاں کہ انہیں اس کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو باتیں وہ خود بربنائے مصلحت صاف صاف نہیں کہنا چاہتے تھے اس کے لئے ڈاکٹر وحید قریشی کو منتخب کیا' وحید قریشی صاحب کی تنقید کا مرکزی نقطہ پیدائش اور موت ہے' لیکن اس تحقیق کے بعد دوسرا کام وہ صرف یہ کرتے ہیں کہ اپنی انتہا پسند طبیعت سے مجبور ہو کر باپ دادا کو گالی دیتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب سے پوچھا جائے تو وہ یہی کہیں گے کہ انہوں نے اپنی بات بڑے ہی اعتماد سے کہی ہے۔ لیکن اگر ایک شخص بڑے ہی پُر اعتماد لہجے میں دروغ گوئی کرے تو کیا اس دروغ گوئی کا اعتراف ممکن ہے؟ بعض حضرات بڑے ہی (Confidence) کے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں'۔ [مکتوب ۲۴/مارچ ۱۹۶۸ء]

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کی کس کتاب پر تبصرہ ہو رہا ہے سردست بتانے سے قاصر ہوں۔ مگر یہ عرض کرنا ہے کہ دروغ گوئی کا اعتراف شخصیت کو مدنظر رکھ کر ہوگا۔ اگر وہ دروغ وحید قریشی کا ہوگا تو ہرگز نہ مانا جائے گا' مگر لطیف الزماں خاں کا ہو تو اللہ تعالیٰ کو بھی اعلان کر دینا چاہئے کہ جھوٹ بولنا حلال ہے۔ ایک چیز جس سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی وہ نام و نمود کی نمائش ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ کہیں میرا نام آئے۔

[مکتوب ۱۸/اپریل ۱۹۶۹ء]

(۲۴) آپ کا وہ خط جس میں آپ نے ''دیوانِ غالب'' کے اس نسخے کے بارے میں تحریر فرمایا تھا جو خود غالب کے قلم سے لکھا ہوا ہے' مجھے نہیں ملا البتہ یہاں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ یہ نسخہ امروہہ میں دریافت ہوا ہے۔ امید ہے آپ دوبارہ اس کی تفصیل تحریر فرمائیں گے۔ [مکتوب ۲۹/اپریل ۱۹۶۹ء]

(۲۵) اللہ نے یہ کام آپ کے لئے رکھا تھا کہ غالب کا دیوان اور مکمل دیوانِ غالب کے قلم سے لکھا ہوا ملے' اور آپ اسے ترتیب دیں۔ آپ کے ہم وطن جنہیں یہ نسخہ ملا ہے خوش قسمت ترین انسان ہیں بلکہ یوں کہئے کہ اس صدی کے وہ سب سے خوش نصیب انسان

ہیں کہ غالب کا دیوان انہیں ملا۔ یہ تو صحیح ہے کہ ان خطوط کی جتنی بھی قیمت ملے وہ کم ہے مگر معلوم تو ہو کہ آپ کے ہم وطن کو اب تک کیا پیش کیا گیا ہے؟ آپ نے لکھا ہے ''میں آپ کے لئے اس کا عکس فراہم کر کے رکھ لوں گا''۔ عکس مجھ تک پہنچے گا یا نہیں؟ لیکن آپ نے یہ جملہ لکھ کر دل خوش کر دیا۔ اگر آپ واقعی یہ احسانِ عظیم کر سکیں تو دریغ نہ کیجئے گا۔

[مکتوب ۱۲ مئی ۱۹۶۹ء]

(۲۶) آپ کا آخری مضمون دیوانِ غالب نسخہ امروہہ اب تک نہیں پہنچا ہے۔ اس مضمون کا شدید انتظار ہے آپ نے مقدمہ کے آخر میں میرا ذکر جس محبت اور خلوص سے کیا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ لیکن خدا گواہ میں اس مرتبہ کا اہل نہیں ہوں جہاں آپ نے مجھے لے جا کر بٹھا دیا یہ تو سوچئے کہ اتنی بلندی سے گر پڑا تو میری ایک ہڈی بھی سلامت نہ رہے گی۔ (طفیل صاحب) نقوش (کا غالب نمبر حصہ دوم) شائع کرنے والے ہیں اس میں صرف غالب کی تحریریں ہوں گی۔ آپ نے جو خط انہیں لکھا تھا اس کے حوالے سے انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر نسخہ امروہہ کا مکمل عکس آپ انہیں بھیج دیں تو وہ اسے اپنے غالب نمبر حصہ دوم میں شامل کر لیں گے۔ نیز وہ الگ سے بھی مکمل دیوان خوب صورت اور شاندار چھاپیں گے اب یہ آپ کا اور ان کا معاملہ ہے۔ میں کچھ نہیں کہتا جو آپ مناسب سمجھیں وہی کیجئے میں نے آپ کو ایک کتاب بھیجی تھی (داستان مغلیہ) اس کتاب پر جہاں ناشر کو طباعت کا انعام ملا ہے اگر آپ پسند کریں گے تو میں دیوانِ غالب کو آرٹ پیپر پر انتہائی شاندار اس ادارے سے چھپواؤں گا اور ایسا کہ وہ برسوں یادگار رہے اور پھر یہ کہ ان سے رائلٹی بھی اس حساب سے طے کروں گا مگر اجازت تو آپ کی درکار ہے اگر طفیل صاحب کو بھی آپ اجازت دے دیں گے تو کوئی حرج نہیں وہاں دوستی نبھائیے یہاں فن تھوڑا سا وقت نکال کر میں نے آج ریکارڈ آفس کا بھی چکر لگایا جمعہ کی وجہ سے زیادہ وقت نہ مل سکا چاہتا تھا کہ غالب کی عرضیاں ـــــ کچھ معلوم کروں مگر معلوم یہ ہوا کہ افسرِ اعلیٰ خود اپنے نام

سے انہیں شائع کریں گے۔ انہیں ابھی محکمانہ اجازت نہیں ملی ملتان میں مہر نیمروز کا مخطوط میں نے معلوم کیا تو قدرت نقوی صاحب نے وہ سہرا اپنے سر باندھ لیا۔ چاہتا تھا کہ یہاں قسمت آزمائی کروں سو وہ افسر صاحب نے دربانی کے فرائض چھوڑ کر ملکیت کا اعلان کر دیا۔ ادھر آپ نے تلاشِ غالب کے مقدمہ میں خود مجھے بھی کچھ کرنے کا حکم دیا ہے بتایئے اب کیا کروں؟

طفیل صاحب نے نقوشِ غالب نمبر کا ایک جلسہ کرایا میرا نام لئے بغیر اپنے مضمون میں میرا ذکر کر ڈالا کیونکہ میں نے انہیں سختی سے منع کیا تھا کہ میرا نام نہ آئے۔ میں نے اس لئے منع کیا تھا کہ نقوش میں میرا ذکر نہ کر ڈالیں مگر انہوں نے مضمون میں ذکر اس طرح کیا کہ لوگوں نے بھانپ لیا۔

[۱۷-۱۶ مئی ۱۹۶۹ء کی درمیانی شب از: لاہور]

اس سے ظاہر ہے کہ میں نے مئی ۱۹۶۹ء کے پہلے ہفتے میں یعنی دیوانِ غالب کی دریافت سے ۱۵ دن کے اندر محمد طفیل کو اشارہ دے دیا تھا کہ عکس نقوش کو مل جائیں گے۔ لطیف اسے ادارہ نگارشات کتابی صورت میں چھپوانا چاہتے تھے یہ ادارہ میاں افتخار الدین مرحوم کے صاحبزادے سہیل افتخار صاحب کا تھا۔ (نثار)

(۲۷) دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ کے سلسلے میں اب تک جو حماقت مجھ سے ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دو حضرات سے میں یہ کہہ چکا ہوں کہ اس کے عکس مجھے ضرور مل جائیں گے لیکن یہ حضرات ایسے ہیں جنہیں غالب سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا اردو کے کسی عام شاعر سے۔ میں اپنی اس غلطی کے لئے آپ سے معافی خواہ ہوں آئندہ سخت احتیاط برتوں گا۔ آپ نے میرے لئے نسخۂ امروہہ کے عکس بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کے لئے تہ دل سے ممنون ہوں۔ یقیناً آپ اس نادر چیز کو ڈاک سے نہ بھیجئے بلکہ کسی صاحب کے توسط سے بھیجئے۔ آپ نے مجھ پر اعتبار کیا کہ آپ نسخۂ امروہہ میری نگرانی میں شائع کرانا چاہتے ہیں یقین

رکھئے کہ میں زندگی کے آخری سانس تک آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچاؤں گا۔آپ جس قدر جلد ممکن ہو مسودہ اور عکس' حواشی' مقدمہ' فہرست اور اشاریہ غرض ہر چیز مکمل بھیجئے۔

[مکتوب ۲۳/ مئی ۱۹۶۹]

طفیل صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ آپ نے انہیں نسخۂ امروہہ کے عکس دینے پر آمادگی ظاہر کی تھی بلکہ وہ اس کو حاصل کرنے کے لئے ممکن ہے دہلی کا سفر بھی کریں۔ اگر چند قباحتوں کی وجہ سے آپ عکس انہیں نہیں دے سکتے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آپ کا اور طفیل صاحب کا معاملہ ہے۔ جب آپ کی کتاب ''تلاش غالب'' شائع ہوگی اور نسخۂ امروہہ تو انہیں یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی طباعت میں میرا ہاتھ ہے' تو وہ یقیناً آپ سے اور مجھ سے بھی ناراض ہوں گے۔ میں تو خیر کہہ سکوں گا کہ آپ کا حکم تھا —— آپ انہیں لکھ سکتے ہیں کہ یہ دیوانِ غالب چھپنے سے پہلے کہیں اور چھپ گیا تو پھر اس کی اہمیت وہ نہ رہے گی۔ آپ اوّلین فرصت میں ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' مضمون بھیجئے۔

[مکتوب ۲۳/ مئی ۱۹۶۹ء]

(۲۸) میں نے اب تک طفیل صاحب سے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا کہ ہاں میرے پاس بھی شاید اس نسخہ کے عکس آ جائیں گے' لیکن ان کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں یقین ہے کہ آپ اس نسخے کے عکس انہیں یقیناً فراہم کر دیں گے۔ اور یہاں اس کی اوّلیت نقوش کو حاصل ہوگی۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ صاف گوئی اچھی چیز ہے۔ آپ طفیل صاحب کو لکھ سکتے ہیں کہ اس نسخے کی اہمیت کیا ہوگی اگر اسے الگ شائع کیا جائے' اور اس کی حیثیت کیا رہ جائے گی اگر یہ صرف ان کے

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
تو اُسے نہ توڑ سکتا اگر اُستوار ہوتا

نمبر میں شامل کر دیا گیا''۔ [مکتوب ۱۴/ مئی ۱۹۶۹ء]

(۲۹) دیوانِ غالب بخطِ غالب کے سلسلہ میں ـــــ آپ کے احکامات کی سختی سے تعمیل ہوئی آپ اطمینان کلی رکھئے' کہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ میرے توسط سے یہ دیوان چھپ رہا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے اس کا مسودہ تیار کرلیا۔

ادارہ ''نگارشات'' ـــــ کے مالکان سے میرے ذاتی تعلقات ہیں وہ عرصہ سے مجھ سے تقاضا کرتے ہیں کہ غالب پر کوئی کتاب انہیں شائع ہونے کو دوں۔ اب خدا نے یہ موقع دیا ہے کہ ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' چھپوا سکوں گا۔ میں خود چاہتا ہوں کہ اس کی اشاعت میں دیرنہ ہو اور اولیت کا سہرا آپ ہی کے سر رہے۔ آپ نے بار بار تاکید کی ہے' مگر میں ایک ہی بار یہ عرض کر دوں کہ میرا سینہ بہت بڑا قبرستان ہے' اس میں سے کوئی بات کسی کو معلوم ہو یہ کیونکر ممکن ہے؟ جب آپ کا یہ حکم ہے کہ دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ کی طباعت صیغۂ راز میں رہے تو پھر ایسا ہی ہوگا آپ کی ہدایات پر حرف بحرف عمل ہوگا عکس آپ جون کے پہلے ہفتے میں بھیج رہے ہیں؟''

ـــــ میں نے طفیل صاحب سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ شاید عکس مجھے بھی مل جائیں البتہ طفیل صاحب نے نہایت پُر جوش انداز میں یہ فرمایا تھا کہ آپ نے انہیں عکس فراہم کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے شاید دتی پہنچیں۔ یہ بات توان کے علم میں ہے کہ آپ کی اور میری خط وکتابت ہے' البتہ انہیں نہیں معلوم کہ غالب کے دیوان کے سلسلہ میں بھی کوئی خط وکتابت ہے۔ آپ خود یہ فیصلہ کیجئے کہ آپ طفیل صاحب کو عکس فراہم کریں گے یا نہیں۔ حالانکہ طفیل صاحب کی تحریر غالب کا ایک شعر یاد دلاتی ہے:

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالبؔ
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

ـــــ مالکِ نسخہ نے جتنی بھی رعایت آپ کو دی ہے وہ کچھ کم نہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ

ان کا نقصان ہو' اصل نسخہ فروخت سے پہلے ہم دیوان چھپوالینا چاہتے ہیں' لیکن اسے بازار میں اُس وقت پیش کیا جائے گا جب اصل نسخہ فروخت ہو جائے گا۔ طفیل صاحب کو یا کسی شخص کو یہ علم نہیں کہ نسخۂ امروہہ یہاں میرے توسط سے چھپے گا۔ [۳۰/مئی ۱۹۶۹ء]

(۳۰) دیوان کے عکس کا شدید انتظار ہے۔ آپ طفیل صاحب کو یا ترقی مجلس (کذا) کو کیا جواب دیں گے یہ آپ جانیں' میں اتنی ہی بات جانتا ہوں کہ مجھ پر جو اعتماد آپ نے کیا ہے اس کو کسی قیمت پر ٹھیس نہ پہنچے گی۔ آپ یہ پورا مہینہ کوئی اور کام نہ کیجئے بس کسی طرح اس کے حواشی اور مقدمہ وغیرہ تحریر کر لیجئے اور جولائی کے پہلے ہفتہ تک ہر چیز مکمل مجھے بھیج دیجئے۔ —— [۳/جون ۱۹۶۹ء]

(۳۱) تلاشِ غالب کے لئے جو دریافت غزلیں آپ نے بھیج دی ہیں انہیں کتاب میں شامل رہنے دیجئے۔ میں آپ سے جھوٹ نہ بولوں گا' میں نے واقعی کچھ لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ نو دریافت دیوان کے عکس مجھے مل جائیں گے' جب آپ نے یہ خوش خبری دی تھی ورنہ میری کیا مجال کہ آپ منع کریں اور میں تعمیل حکم نہ کروں اب تو جو حماقت ہو گئی ہے' اس سے درگزر کیجئے آئندہ کے لئے وعدہ ہے۔ [۷/جون ۱۹۶۹ء]

(۳۲) فاروقی صاحب یقین کیجئے میں دوستی کے نام پر اپنی جان پر کھیلنے کو تیار ہوں بڑے سے بڑے الزام اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔ مجھے اپنا جانیے۔ الفاظ نہیں میرا عمل ہی یہ بات طے کر سکے گا کہ جو اعتبار آپ نے مجھ پر کیا ہے اسے اپنی زندگی کے آخری سانس تک ٹھیس نہ پہنچاؤں گا۔ [۱۱/جون ۱۹۶۹ء]

(۳۳) "دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ کے عکس' حواشی' مقدمہ وغیرہ ہر چیز مکمل صورت میں چچا جان کے ہمراہ بھیج دیجئے۔ ڈاک سے ہرگز نہ بھیجئے۔ دیوان غالب کی اشاعت یقیناً عمدہ طریقہ پر ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ اب تک جتنی شرائط آپ نے مختلف خطوط میں لکھی ہیں ان کی پابندی ہو"۔ [مکتوب ۱۶/جون ۱۹۶۹ء]

(۳۴) آپ مجھ پر کتنا کرم کرتے ہیں عجیب بات تو یہ ہے کہ دنیا والوں نے ہمیشہ مجھے حقارت سے ٹھکرایا۔ میں نے ہمیشہ خلوص برتا' لیکن جواب میں ہمیشہ نفرت ہی ملی۔ میری زندگی میں آپ سے نصف ملاقات اپنی نوعیت کا عجیب وغریب واقعہ ہے۔ خداوند کریم آپ کو اس کا اجر دے گا۔ دیوانِ غالب کا عکس چچا جان کے ہمراہ بھیجئے گا' اور انہیں سختی سے ہدایت کر دیجئے کہ جب وہ لاہور پہنچ جائیں تو مجھے مطلع کر دیں میں خود جا کر ان سے سب چیزیں لے لوں گا۔ خدا سے ہمہ وقت دعا مانگتا ہوں کہ دیوان کی طباعت کا کام بخیر وخوبی ہو جائے۔ آپ نے اتنا بڑا بار میرے سر پر رکھ دیا ہے کہ میں جس کا اہل نہیں تھا۔

[مکتوب ۱۲/جون ۱۹۶۹ء]

(۳۵) میں اکثر سوچتا ہوں کہ آپ مجھ جیسے نامعقول ناکارہ اور فضول شخص کو کس قدر محبت اور خلوص سے یاد کرتے ہیں اپنی نارسائی' حماقت اور جہالت کا خیال آتا ہے تو کانپ اٹھتا ہوں۔ سوائے اس کے کیا کہوں کہ خداوند کریم ہی آپ کو اس خلوص اور محبت کا اجر دے گا۔ میں تو آپ کے لئے خواہش کے باوجود کچھ نہیں کر سکا ہوں۔

—— تلاشِ غالب کے آخری مضمون میں جو نو دریافت کلام موجود ہے اس کی اہمیت کا مجھے بخوبی اندازہ ہے' نیز یہ بھی سمجھتا ہوں کہ مالک نسخہ سے آپ کا جو معاہدہ ہے اسے بہر قیمت قائم رہنا چاہئے۔ اگست کے آخر اور ستمبر کے اوائل میں مخطوط فروخت ہو جائے تو بہت اچھا ہے کیونکہ انہیں ایام میں دونوں چیزیں یعنی تلاشِ غالب اور "دیوانِ غالب" چھپ کر تیار ہو جائے گا بشرطیکہ جولائی کے آخر تک عکس اور حواشی مع مقدمہ مجھے مل جائیں۔ آپ اطمینان رکھئے آپ نے مالک نسخہ سے جو وعدہ کیا ہے اس کا پاس ہر حال میں رکھا جائے گا"۔ [مکتوب ۲۱/جون ۱۹۶۹ء]

(۳۶) —— دیوانِ غالب کا عکس ڈاک سے ہرگز نہ بھیجئے' اگر کوئی صاحب اکتوبر سے پہلے تشریف لائیں تو ٹھیک ہے ورنہ چچا جان کے ہمراہ ہی بھیجئے کوئی حرج نہیں۔ میں دیوان

غالب کی طباعت کا انتظام کسی نہ کسی طرح کر ہی لوں گا۔ [مکتوب ۲/جولائی ۱۹۶۹ء]

(۳۷) تلاش غالب کی طباعت میرے اندازے کے مطابق اکتوبر سے قبل نہیں ہو سکے گی۔ یقین ہے کہ اس وقت تک مالک نسخہ نسخہ فروخت کر چکے ہوں گے اور آپ پر جو پابندی ہے اس سے آپ آزاد ہو جائیں گے۔ میں پنجاب یونیورسٹی سے اُردو میں ڈاکٹریٹ کرنا چاہتا ہوں کام بھی غالب پر کرنا چاہتا ہوں۔ مکری وقار عظیم صاحب غالب چیئر سنبھالے ہوئے ہیں۔ ان سے گفتگو ہوئی تھی' اوّل تو وہ غالب پر ڈاکٹریٹ کے قائل نہیں' میرے ساتھ پریشانی یہ کہ سوائے غالب کے کسی اور پر کام کرنا نہیں چاہتا (طرف دار جو ہوا) وقار صاحب اس پر آمادہ ہیں کہ موضوع اچھوتا نیا ہو اور معنی خیز ہو تو اجازت دیں گے۔ اب آپ ہی بتلایئے کیا کروں؟ [مکتوب ۸/جولائی ۱۹۶۹ء]

(۳۸) طفیل صاحب سے بھی ملاقات ہوئی انہوں نے بتلایا کہ جلال الدین صاحب نے ایک بڑا لمبا چوڑا مضمون ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' کے متعلق لکھا ہے اور وہ اُسے غالب نمبر حصہ دوم میں شائع کر رہے ہیں۔ وزیرالحسن عابدی صاحب بھی وہاں تھے انہوں نے اور طفیل صاحب نے بتلایا کہ مخطوطہ اب عرشی صاحب کے پاس پہنچ گیا ہے' اور عابدی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی کہ پہلا کام عرشی صاحب نے یہ کیا ہوگا کہ اُسے حرف بحرف نقل کر لیا ہوگا۔ یہ بات عابدی صاحب نے تحریر کی بنا پر کہی ہے۔ انکا فرمانا تھا کہ ''باغ دودر'' جب عابدی صاحب نے عرشی صاحب کو دکھلائی تو انہوں نے اُسے نقل کر لیا تھا۔ مگر بات اکبر علی خاں کی ہوتی تو میں ایک لمحہ کے توقف کے بغیر یقین کر لیتا لیکن عرشی صاحب؟ لیکن وزیرالحسن عابدی صاحب نے جس انداز سے کہا اس پر سوائے یقین کر لینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے میاں سہیل صاحب سے ''دیوان غالب نسخۂ امروہہ'' کی طباعت کی بات کر لی ہے' وہ یہ فرماتے تھے ٹائپ میں نہیں بلکہ وہ صرف اس طرح شائع کر سکیں گے جیسی ''داستان مغلیہ'' تھی۔ میں نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ دلّی کے دوران قیام

پہ آپ سے ملیں گے۔ چچا جان جب تشریف لائیں تو جو کچھ وہ غالب پر لا سکیں اور آپ بھیج سکیں احسان ہوگا۔ ایگل کے فلاسک کا بھی منتظر ہوں گا''۔ [مکتوب ۱۳/اگست ۱۹۶۹ء]

(۳۹) اُس دور میں جلال الدین صاحب اور اکبر علی خاں صاحب جیسے حضرات ہی کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ آپ نے توفیق صاحب سے وعدہ کر لیا تھا کہ جب تک نو دریافت مخطوطہ فروخت نہ ہو جائے گا آپ اپنی کتاب شائع نہ کریں گے، مگر ہوا کیا؟ وہ آپ کے سامنے ہے اب توفیق صاحب سے ہی کہئے کہ وہ صحیح صورت حال سے غالب کے پرستاروں پر (کذا) واضح کریں کہ نسخہ کس نے دریافت کیا؟ اور سب سے پہلے اسے کس نے دیکھا؟ جلال الدین صاحب نے اپنے مضمون میں توفیق صاحب کا دہلی جانا تحریر کیا ہے (جہاں آپ دیوان دیکھ چکے تھے) مگر دریافت کا سہرا انہوں نے اپنے ہی سر باندھا ہے۔

''نسخۂ امروہہ'' کی دریافت کے بعد جب آپ کا مضمون آ گیا تھا تو بڑی زبردست خواہش تھی کہ ''تلاش غالب'' شائع ہو کر بازار میں آ جائے، مگر پاس ادب اور آپ کے ایفائے وعدہ کے خیال نے مجھے اظہار خیال تک سے روکا۔ آج میں پچھتاتا ہوں کہ کیوں نہ میں نے خود یہ فیصلہ کر لیا کہ کتاب چھپ جائے ــــ اکبر علی خاں سے میں اگرچہ آج تک نہیں ملا۔ مگر جو حرکات وہ کرتے رہے ان سے میں بخوبی واقف ہوں۔ یہاں اس ملک میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ملے جو غالب کو پڑھتا ہو اور اس سے اکبر علی خاں صاحب نے یہاں کی مطبوعات منگا کر چپ نہ سادھ لی ہو۔ پھر بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نسخۂ امروہہ کا مخطوطہ اُن کے ہاتھ میں جائے بھی اور وہ اس کا عکس نہ لے لیں؟

[۲۳/اگست ۱۹۶۹ء]

(۴۰) میں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ کلمۂ حق کو دوام حاصل ہوتا ہے لیکن پروپیگنڈا اپنے اثرات چھوڑے بغیر پروپیگنڈا کیا ہوا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ توفیق صاحب صحیح صورت حال سے اس نسخے کے بارے میں لکھیں؟

۔۔۔۔۔ایک بڑے مزے کی خبر سنئے۔ سید قدرت نقوی صاحب نے ملتان میں اسکول کی ملازمت ترک کردی' وہاں انہیں ایک سو دس روپے ماہانہ ملتا تھا۔ شمعی صاحب نے حق دوستی یوں ادا کیا کہ جوش صاحب کو ترقی بورڈ سے نکالا اور ساڑھے چھ سو روپے ماہانہ پر قدرت صاحب کا تقرر کیا۔ جوش صاحب کا نعم البدل (کذا) کیا خوب تلاش کیا ہے۔ اب قدرت صاحب لغت نویسی پر معمور ہیں۔ ایک منشی فاضل پاس اور لغت نویس! فالوا انا للہ وانا الیہ راجعون (کذا) ۔۔۔۔ [مکتوب ۳/ستمبر ۱۹۶۹ء]

(۴۱) مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ سہیل صاحب آپ سے ملنے پہنچے وہ بہت بڑے باپ کے بیٹے ہیں اور نہایت بااصول انسان ہیں۔ آپ سے چوک ہوگئی اگر آپ سہیل صاحب سے دیوان کی طباعت کا ذکر کردیتے تو بہت اچھا ہوتا' وہ اگر آپ سے وعدہ کرلیتے تو دنیا ادھر سے ادھر ہوجاتی وہ شائع کرتے اور جلد کرتے۔ مجھ سے انہوں نے اس نو دریافت کلام کو شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مسوّدہ اور عکس اگر آپ اُن کے حوالے کریں تو مجھے فوراً مطلع کیجئے گا تاکہ میں جاکر وصول کرلوں۔ چچا جان کے ہمراہ اگر آپ روانہ کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ [مکتوب ۸ستمبر/۱۹۶۹ء]

(۴۲) پروفیسر احمد علی صاحب کی کتاب انگریزی میں اٹلی سے چھپ کر آئی ہے' بارہ روپے قیمت ہے مگر وہ میں آپ کو نہیں بھیجوں گا' اُسے دیکھ کر جی جل گیا' انگریزی میں ترجمہ بعض جگہ بالکل (کذا) گھاس کوڑا ہے۔ لفظی ترجمہ بھی نہیں۔ یہ پروفیسر احمد علی (ہماری گلی) اور دلی کی شام کے مصنف ہیں۔ بڑے مشہور و معروف مگر غالب کا ترجمہ کیا تو بس علیت ختم ہی کر ڈالی'۔ [مکتوب ۸/ستمبر ۱۹۶۹ء]

(۴۳) میں ۱۱/ستمبر کو ملتان پہنچوں گا' اور اولین فرصت میں لاہور جاؤں گا تاکہ "تلاش غالب" کے مکمل پروف حاصل کرلوں۔ نہ میں اس کا نام تبدیل کروں گا' نہ مرتب کی حیثیت سے اپنا نام لکھوں گا۔ دوسرے کی محنت کو اپنی جھولی میں ڈال کر فخر کرنا سید قدرت نقوی

صاحب کو زیب دیتا ہے، پھر جلال الدین صاحب کو۔ میں ان کا ہم پلہ نہیں بننا چاہتا۔ یہاں کے رسائل میں تو ایک طرفہ مضامین شائع ہوئے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ جلال الدین صاحب نے اوّلیت کا تاج پہن لیا ہے اور یہ تاج ان کی نجات کا باعث ہوگا۔ یہ بات تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ مالک مخطوطہ نے انہیں نو دریافت کلام شائع کرنے کی اجازت نہ دی ہو گی۔ ـــــ

آپ نے اچھا کیا کہ توفیق صاحب کے (Interest) کو مدنظر رکھا اور مخطوطہ کی فروخت تک اپنی کتاب کو روک لیا۔ لیکن میں تو سمجھ رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں گھپلا ہو جائے گا اور جب اکبر علی خان کا نام درمیان میں آیا تو میرا خیال یقین میں تبدیل ہو گیا کہ اب نو دریافت کلام سامنے آ جائے گا۔ معلوم ہوا کہ جلال الدین صاحب ان سے بھی بڑے کاری گر ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے شرافت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ـــــ اگر آپ نے عکس کے ہمراہ حواشی روانہ نہ کیے تو میں صرف دیوان چھپوانے کی کوشش کروں گا۔ [مکتوب ۶/ ستمبر ۱۹۶۹ء]

(۴۴) کیا سہیل صاحب سے حیدر آباد میں ملاقات ہوئی؟ واپسی سے قبل اگر وہ آپ کو دہلی میں مل جائیں تو دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ کی طباعت کے بارے میں ضرور ان سے کھل کر بات کیجیے۔ میں اس نسخے کے عکس اور حواشی کا منتظر ہوں۔ [مکتوب ۱۹/ ستمبر ۱۹۶۹]

(۴۵) ۱۴/ اکتوبر کو قبلہ چچا جان کا خط ملا کہ ۱۵/ اکتوبر کو لاہور جا کر ان سے نیاز حاصل کروں، چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور وہاں گیا۔ صبح کو ناشتہ ان کے ساتھ کیا۔ مندرجہ ذیل کتب و رسائل انہوں نے عنایت فرمائیں۔ ایک فلیگ جس پر غالب کے اشعار ہیں اور عکس۔ چچا جان کے ہاں سے واپس آیا تو دن بھر نہ کہیں گیا اور نہ کوئی کام کیا بس اس دولت کو دیکھتا رہا کہ جس کے مقابلے میں قارون کے خزانے کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ شکریہ کا لفظ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہ ہو گی۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہی

اس کا اجر آپ کو دے گا۔(آپ نے تو اجر دے دیا' جزاک اللہ۔نثار)

۔۔۔۔ سہیل صاحب دیوانِ غالب شائع کرنا تو چاہتے ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ ابھی انہوں نے وعدہ نہیں کیا' اُن کے اندازے کے مطابق جس قسم کا دیوان میں شائع کرانا چاہتا ہوں اس پر کم از کم چالیس پینتالیس ہزار روپے کی لاگت آئے گی ۔۔۔۔ میں طفیل صاحب سے بھی ملا۔ وہ نقوش کا ایک اور غالب نمبر شائع کر رہے ہیں' یہ معرّا ایڈیشن ہوگا' اس نمبر میں غالب کی نایاب اور کمیاب تحریریں ہوں گی "گل رعنا" کا اصل نسخہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے اور بارہ ہزار روپے والے موجود ہیں' مگر وہ صاحب بیس ہزار مانگتے ہیں' طفیل صاحب اس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں' اور امید ہے کہ عکس مل جائے گا' پھر وہ نفیس صفحات پر اسے شائع کریں گے ۔۔۔۔

طفیل صاحب نے نسخۂ امروہہ کے عکس حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں یقین نہ تھا کہ عکس مل سکیں گے' سفر ملتوی کیا اور ویزا کا وقت نکل گیا۔ دروغ مصلحت آمیز کے لئے پروردگار مجھے معاف کرے میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ آپ نے میرے پیکٹ پر میرے نام کے بعد "معرفت طفیل صاحب" کیوں لکھا؟ میرے پہنچنے میں اگر دیر ہو جاتی تو یقیناً چچا جان تمام چیزوں کے ساتھ عکس بھی طفیل صاحب کو دے آتے' وہ اُسے کھولتے' دیکھتے' آپ کے بارے میں کیا خیال فرماتے اور میرے بارے میں کیا سوچتے؟

بہرکیف۔ اب آپ سے ایک بات ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو عکس طفیل صاحب کو دوں تاکہ وہ نقوش کے غالب نمبر میں شامل کر لیں۔ ۔۔۔۔ مجھے آپ صاف صاف لکھئے کہ کیا آپ اجازت دیں گے؟ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر یہ اُس وقت تک میرے پاس محفوظ ہیں جب تک غالب کا دیوان شائع کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو جاتا ۔۔۔۔ [مکتوب ۸/ اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۴۶) میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ جلال الدین صاحب نے نسخۂ امروہہ کی دریافت کا سہرا خود باندھ لیا ہے مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہے کہ آپ نے اس سطح پر آنا پسند نہ کیا ـــــ یہ زمانہ تو پروپیگنڈے کا ہے اور جلال الدین صاحب اس سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کم ازکم یہ تو کر ہی سکتے ہیں کہ وہاں کے اخبار اور رسائل میں صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر آپ توفیق صاحب اور اپنا مضمون نقل کر کے (چھپا ہوا تو آئے گا نہیں) بھیج دیں تو پھر یہاں کے اخبارات ورسائل میں ان کو (Reproduce) کرایا جا سکتا ہے۔

یہاں آج اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اکبر علی خاں نے وہی کیا جس کا اندیشہ وزیر الحسن عابدی صاحب نے ظاہر کیا تھا یعنی نسخے کا عکس شائع کر دیا ہے۔ یہاں ابھی اور کسی کے پاس عکس نہیں پہنچے ہیں۔ میں ۱۷ اکتوبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہوا۔ طفیل صاحب کو اس وقت تک آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ آپ کا خط ملتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ طفیل صاحب کو ٹرنک کال پر بتلایا کہ عکس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہ پرسوں یعنی ۱۲/ اکتوبر کو تشریف لائیں گے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عکس انہیں دے دوں گا۔ لیکن ساتھ یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ جلد از جلد اس نسخے کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجئے۔ بات کچھ یوں ہوگی کہ عکس بھیجنے کی ذمہ داری اب بھی آپ پر نہیں آنی چاہئے تاکہ توفیق صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے۔ ہاں یہ بے حد ضروری ہے کہ یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے ـــــ آپ مضمون قسط وار مجھے یا طفیل صاحب کو بھیج دیجئے یعنی اگر مکمل مضمون یک بارگی نہ آ پائے تو خطوط کی شکل میں بھیجئے۔ ''نقوش' دسمبر میں شائع ہوگا' اگر کوئی صاحب آنے والے ہوں تو مضمون آسانی سے لاسکیں گے۔ نقوش کے لئے مضمون جو عکس کے ساتھ شائع ہو سکے ضرور بھیجئے۔ آپ کا مضمون نہ آیا تو ـــــ ''تلاش غالب' میں نسخۂ امروہہ سے متعلق جو مضمون ہے اسے شامل کرادوں گا لیکن ضروری ہے کہ آپ توفیق صاحب کے حوالے سے دوسرا مضمون لکھیں تاکہ اصلیت معلوم ہو سکے۔ جلال الدین اور

اکبر علی خان اگر جھوٹ بول سکتے ہیں تو کیا آپ سچ نہیں بول سکتے؟

[مکتوب ۳۰/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۴۷) جب ۹/اکتوبر کو مجھے آپ کا خط ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا اور وہ آج لاہور سے تشریف لے آئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی اور عکس انہیں دے دیے۔ طفیل صاحب کو آپ کا خط مل چکا ہے، خیال ان کا یہ تھا کہ نقوش غالب نمبر حصہ دوم دسمبر میں شائع کریں گے۔ لیکن اب وہ نومبر ہی میں شائع کریں گے ـــــ اگر آپ نے نیا مضمون بھیج دیا تو ٹھیک، ورنہ پھر تلاش غالب والا مضمون ہی شامل کرلیا جائے گا۔ طفیل صاحب چاہتے ہیں کہ میرا ذکر بھی آئے مگر مجھے نام و نمود سے نفرت ہے میں نے انہیں سختی سے منع کیا ہے۔ طفیل صاحب نے بھی یہی فرمایا کہ عکس کی ذمہ داری آپ نہ لیجئے، بس مضمون آپ کا اور عکس کی ذمہ داری میری یا کسی اور کی۔ اس سے یہ ہوگا کہ آپ کو توفیق کچھ کہہ نہ پائیں گے، نیز آپ یہ کہہ سکیں گے کہ آپ نے صرف اپنی کتاب کے لئے مضمون لکھا تھا وہ شامل کرلیا گیا ہے، یا اگر نیا مضمون بھی ہوگا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔ آج طفیل صاحب آئے بھی اور واپس بھی چلے گئے۔ میں نے دوپہر کو کچھ اور لوگوں کو مدعو کیا تھا۔ ایک نہایت ضروری کام یہ ہے کہ اگر آپ نے نئے نسخے کی کتابت کرالی ہے تو اس کی ایک نقل فوراً طفیل صاحب کو بھیج دیجئے کیونکہ ممکن ہے غالب کا لکھا ہوا کاتب صحیح نہ پڑھ سکے کیونکہ پروگرام تو یہی ہے کہ ایک جانب غالب کا عکس اور دوسری جانب کتابت شدہ غزل ہو گی۔ آپ نے اسے صحیح پڑھ لیا ہوگا اس لئے کتابت شدہ کاپی میں غلطی کا (کذا) امکان نہ رہے گا۔ اور طفیل صاحب کو آسانی ہو جائے گی ـــــ [مکتوب ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۴۸) چچا جان نے مجھے ایک خط امروہہ سے لکھا تھا اور حکم یہ تھا کہ ۱۵/اکتوبر کو لاہور پہنچوں، چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اتوار ۱۵/اکتوبر کو صبح ناشتہ انہیں کے ساتھ کیا ـــــ اگر آپ کا خط میری روانگی سے قبل مل جاتا تو میں یقیناً عکس طفیل صاحب کو دے آتا لیکن آپ

کا لفافہ جب مجھے لاہور سے واپسی پر ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کیا' وہ گزشتہ اتوار یعنی ۱۲/۱۱ اکتوبر کو تشریف لائے اور میں نے عکس ان کے سپرد کر دیئے۔ حق بحق دار رسید۔ طفیل صاحب فرماتے تھے کہ آپ کا خط اُنہیں مل چکا ہے ـــــ مخطوطہ کی (Discovery) نہیں بلکہ اس کا تعارف زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور یہ تعارف سب سے پہلے آپ نے کرایا' ثبوت تو موجود ہے کہ "تلاشِ غالب" میں یہ مضمون "دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ" موجود ہے اور اُس میں مکمل روداد ہے' میں نے ٹائپ شدہ جتنا مضمون میرے پاس تھا طفیل صاحب کو دے دیا تھا ـــــ اگر آپ کا نیا مضمون نہ آسکا تو یہی مضمون شامل کر دیا جائے گا۔ میرا خیال اب یہ ہے کہ اُسی مضمون کو "نقوش غالب نمبر حصہ دوم" میں شامل ہونا چاہئے' اس سے کئی فائدے ہیں۔ اوّل تو اس مضمون سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ تعارف سب سے پہلے آپ نے کرایا' لیکن چونکہ مالک مخطوطہ کو مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا آپ نے کتاب کی اشاعت کو التوا میں ڈالا۔ دوسرے یہ کہ کتاب کو اس سے شہرت ملے گی۔ تیسری بات یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا اور بالخصوص توفیق صاحب کو کہ ان کے ساتھ زیادتی کس نے کی ہے!

ہاں ایک بات یاد رکھیئے' نقوش غالب نمبر حصہ دوم شائع ہونے کے بعد پھر یہ "الزام" آپ پر نہیں آنا چاہئے کہ عکس آپ نے بھیجے ہیں۔ اس میں بھی پیچیدگیاں ہیں جن کا اظہار اس وقت درست نہیں' یہ عین ممکن ہے کہ اکبر علی خان صاحب' توفیق صاحب کو بھڑکا دیں کہ آپ نے عکس حاصل ہی اس لئے کیے تھے کہ "نقوش" کو بھیج دیں اور میں نہیں چاہتا کہ یہ یا اور کوئی الزام آپ پر آئے ـــــ طفیل صاحب سے جو آپ کے مراسم ہیں اور میرے بھی۔ ان کے پیش نظر اُن سے یہ کہنا کہ صاحب عکس کے بدلے چار نسخے دے دیجئے (یعنی عکس کی اجرت چار سو روپے۔ نثار) معیوب معلوم ہوتا ہے حساب دوستاں در دل والا معاملہ ہی ٹھیک ہے۔ [مکتوب ۱۷/۱۱ اکتوبر ۱۹٦۹ء]

(۴۹) ـــــ ولید صاحب نے بہت پریشان کیا ہے۔ نسخۂ امروہہ والا مضمون اب تک

فراہم نہیں ہو سکا ہے۔ میں نے ٹیلیفون پر طفیل صاحب کو مطلع کیا کہ اگر ہفتہ ۲۵/اکتوبر تک مضمون نہ ملا تو میں خود لاہور پہنچوں گا۔ چنانچہ میں ۲۵/اکتوبر کی شام کو طفیل صاحب کے پاس پہنچا ـــــ گھر لے گئے رات کو سوا گیارہ بجے ان کے ہاں سے آیا اور ولید میر کے گھر جا کر بیٹھ گیا وہ حضرت فلم دیکھنے گئے تھے۔ تین بجے صبح آئے' جاگتا رہا جب تین بجے وہ آئے تو مضمون کے بارے میں بتلایا کہ ۲۶ کو تو اتوار ہے اور پریس بند ہے مضمون نہیں مل سکتا۔ ۲۷ یا ۲۸ اکتوبر تک انہوں نے مضمون دینے کا وعدہ کیا ہے ـــــ طفیل صاحب اور میں نے یہ طے کیا ہے کہ ''نقوش'' غالب نمبر حصہ دوم بھی دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصے میں عکس اور دیوان اور صرف آپ کا مضمون ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' ہوگا۔ دیوان پر ''نسخہ امروہہ'' ہی لکھا جائے گا ـــــ آپ دو کام فوراً کیجئے (۱) مسودہ جس قدر جلد ہو طفیل صاحب کو بھیج دیجئے کیونکہ بعض جگہ الفاظ کا پڑھنا کاتب کے لئے ممکن نہیں ہے اور عکس دوسروں کو دکھلائے نہیں جا سکتے' (۲) دیوان غالب نسخۂ امروہہ کا آخری صفحہ یعنی جہاں سے غزلیات کے پہلے مصرعے نمبر وار آپ نے درج کئے ہیں یہ حصہ اگر آپ کے پاس ہو تو نقل کر کے مسودے کے ہمراہ بھیج دیجئے کیونکہ خدانخواستہ کسی وجہ سے ولید صاحب مضمون نہ دے سکے تو مضمون مکمل صورت میں تو شائع ہو سکے۔ مضمون کا پہلا حصہ تو کمپوز ہو چکا تھا وہ میں نے طفیل صاحب کو دے دیا ہے ـــــ [مکتوب ۲۷/اکتوبر ۱۹۶۹]

(۵۰) میں نے آپ کو ۱۲/اکتوبر کو جو خط لکھا تھا اُس میں یہ عرض کیا تھا کہ طفیل صاحب حسب وعدہ آئے اور میں نے دیوانِ غالب ان کو دے دیا کیونکہ اس کے متعلق آپ کی ہدایت ۹/اکتوبر کو مل چکی تھی ـــــ اچھا اب ایک بات سنئے میں آج مسعود اشعر صاحب کے پاس گیا تھا' اکبر علی خاں کا خط لے آیا ہوں' اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''ایک اعلان حکیم نبی احمد خاں صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر صغیر احمد خاں کی طرف سے امروز میں شائع کرا دیجئے کہ:

''مخطوطہ دیوانِ غالب بخطِ غالب مکتوبہ سہ شنبہ ۱۴/رجب (سن ندارد) کو پاکستان میں شائع کرنے کے جملہ حقوق میرے نام محفوظ ہیں بغیر تحریری اجازت کوئی صاحب اس نودریافت کلام یا اختلافات اور اصطلاحات اور اصلاحات اُس سے پتا چلنے والی نئی معلومات کو مضمون یا کتاب کی صورت میں شائع کرنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف عدالت میں چارہ جوئی کی جائے گی۔ڈاکٹر صغیر احمد خاں ایم بی بی ایس' سمن آباد لاہور''۔

اس اعلان پر جو خرچ آئے وہ حکیم صاحب قبلہ سے لے لیجئے مگر اس اعلان کی اشاعت بہت ضروری ہے۔(اکبر علی خان)''

انگریزی میں جو تحریر ہے اُس کے حاشیے پر اکبر علی خاں نے لکھا ہے: ''اسے کسی بڑی نیوز ایجنسی کو ریلیز کرنے کے لئے دے دیجئے تاکہ آپ کے یہاں تمام انگریزی اخبارات میں آجائے اور رام پور کا نام اونچا ہو''۔

آیئے اب اس تحریر کا جائزہ لیں: سب سے پہلی بات تو یہ کہ اکبر علی خاں کو یہ یقین نہیں ہے کہ صغیر احمد خاں خود اشتہار دیں گے اس لئے مسعود اشعر کو لکھا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اکبر علی خاں کو شاید یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ جلال الدین صاحب اپنے سر اس کی دریافت کا سہرا باندھتے باندھتے تمام نودریافت کلام اپنے مضامین میں درج کر چکے ہیں۔ ''نقوش'' کے گزشتہ شمارے میں جلال الدین صاحب کا مضمون دیکھا جاسکتا ہے' یہی نہیں ـــــ بلکہ ''اختلافات اور اصلاحات اور اس سے پتا چلنے والی نئی معلومات'' کا ذکر کر چکے ہیں' اس کے علاوہ ''افکار'' میں مضمون شائع ہو چکا ہے ـــــ آپ کا مضمون بھی ''آج کل'' میں شائع ہو چکا ہے بلکہ ''افکار'' میں وہ (Reproduce) بھی ہو چکا ہے۔اصل چیز کو اکبر علی خاں چھوڑ ہی گئے ہیں یعنی عکس کی اشاعت وطباعت ـــــ یہاں اب تک اس قسم کا

اشتہار کسی اخبار میں نہیں آیا ــــ خط پر کوئی تاریخ نہیں ہے البتہ اردو کا جو اشتہار انہوں نے بھیجا ہے اس پر یکم اکتوبر لکھا ہے ــــ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یہ اعلان یہاں شائع ہو بھی جائے تو اس کا ہم پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ غالب کے کسی شعر پر یا اس کی تحریر پر حق ملکیت اکبر علی خاں کو کیسے مل گیا؟ کہ خود جو چاہیں کر لیں اور دوسرا مضمون یا کتاب میں اسے نہیں لکھ سکتا۔ یہ خیال بے وقوفی کی انتہا ہے۔ جب غالب کا دیوان شائع ہو ہی گیا تو ہر شخص اُسے پڑھے گا بھی اور لکھے گا بھی ــــ کیا یہ نسخہ' عرشی زادہ واقعی چھپ گیا ہے؟ اور کیا یہ بازار میں فروخت ہو رہا ہے؟ ــــ یہاں یہ دیوان ''نقوش'' کے حصہ دوم کے پہلے حصے میں بالکل الگ شائع ہوگا اس میں آپ کا مضمون بھی شامل ہوگا ــــ آج ہی طفیل صاحب کا خط بھی آیا ہے' انہوں نے ''ہماری زبان'' کے وہ تمام شمارے پڑھ لئے ہیں جن میں توفیق صاحب' جلال الدین صاحب' اکبر علی خاں اور آپ کے خطوط شائع ہوئے ہیں ان کا یہ جملہ پڑھ لیجئے:

''ظاہر ہے ہمیں دلچسپی فاروقی صاحب سے ہے۔ پہلی بات یہ کہ دوستی ہے (دوسری بات نہیں لکھتا) تیسری بات یہ کہ اس قضیے میں فاروقی صاحب کا کردار زیادہ معقول رہا' چوتھے یہ کہ فاروقی صاحب ہی توفیق صاحب کے سپورٹر ہیں ــــ ''میں تو فاروقی صاحب کے لئے بہت کچھ کرتا مگر وہ خود ہی بھاگ رہے ہیں کہ سوائے مضمون کی اشاعت کے میرا نام ظاہر نہ کیا جائے''۔ (محمد طفیل)

میں آج ہی میرا مطلب ہے اس خط کے بعد انہیں کو خط لکھوں گا اور بتلاؤں گا کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟ میں دیوان پر اپنا نام کیوں کروے سکتا ہوں؟ دوسرے کی محنت اپنی جھولی میں نہیں ڈال سکتا' میرے لئے یہی اعزاز کچھ کم نہیں کہ آپ نے ایسا لکھا اور طفیل صاحب نے ایسا سوچا ــــ دیوان کا مسودہ (تاکہ کتابت میں غلطی نہ رہ جائے) حواشی (تاکہ

دیوان کو آرٹ پیپر پر سہیل صاحب شائع کر سکیں) اور ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' والے مضمون کی نقل (کہ اگر ولید صاحب نامعقولیت برت لیں تو نقوش کی اشاعت میں دیر نہ ہو) یہ سب چیزیں جلد بھیجئے۔ [مکتوب ۲۸/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۱) ازراہِ کرام کسی بھی صورت حواشی فوراً بھجوایئے نیز دیوان کے مسودے کی کاپی بھی اگر ضرورت پڑی تو دیوان کے دیباچے میں اس کا ذکر کر دیا جائے گا کہ دیباچہ اور حواشی لکھوائے گئے ہیں۔ فراہمی دیوان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے حواشی اور مقدمہ کا آنا یوں بھی ضروری ہے کہ مضمون ''نسخۂ امروہہ''، ''تلاشِ غالب'' کے علاوہ اب ''نقوش'' میں شامل ہوگا اس لئے اُسے دیوان کے ساتھ شائع کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

[مکتوب ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۲) آج اکبر علی خاں کا خط میرے پاس آیا ہے ذیل میں اُسے نقل کرتا ہوں:

''جی ہاں نودریافت دیوان غالب ''نسخۂ عرشی زادہ'' کے نام سے چھپ گیا ہے مگر ابھی تک دہلی ہی میں پڑا ہے پریس میں۔ پریس کی ادائیگی بعض مجبوریوں سے رکی ہوئی ہے دو تین جلدیں لایا تھا وہ تبصرہ وغیرہ پر تقسیم ہو گئیں آپ سے پہلے ہی کی مدات کافی ہیں اُسے دور کر لوں تو آئندہ کسی کتاب کی فرمائش کروں، وہاں جن جن اخبارات میں اس کتاب کے چھپنے کی خبر آئی ہے مطلع کیجئے۔ انگریزی اردو دونوں اگر تراشے مل سکیں تو کیا کہنا' سنا ہے ایک دو اخباروں میں پروفیسر آل احمد سرور کا تعارف بھی اس کتاب کے بارے میں چھپا ہے ان کے نام بھی لکھیے اور ممکن ہو تو آئندہ تراشے بھی بھیجئے' یہ کتاب ڈی لکس ایڈیشن پر چھپی ہے اور ۱۲۵/- روپے قیمت ہے۔ آپ کو چندے انتظار کرنا پڑے گا یوں بھی صرف سو کاپیاں چھاپی گئی ہیں''۔

طفیل صاحب کو جو خط اکبر علی خاں صاحب نے لکھا تھا وہ میں نے پڑھا ہے اس میں تو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اور مجھے وہ لکھ رہے ہیں کہ پریس کی ادائیگی کی وجہ سے یہ کتاب رکی ہوئی ہے دو تین جلدوں کا تبصرہ کے لئے بھیجا جانا قطعی غلط ہے اکبر علی خاں تو کبھی کسی کو دو روپے دو روپے کی کتاب نہیں بھیجتے سکے ۱۲۵ روپے کی کتاب کیا بھیجی ہوگی؟

میرا اندازہ ہے کہ یا تو ابھی یہ دیوان شائع ہی نہیں ہوا۔ یہ خبر اس لئے مشتہر کی گئی ہے کہ کوئی اور شخص نہ شائع کر سکے مگر مخطوطہ تو ان کی ملکیت نہیں ہے اور اگر وہ ان کی ملکیت بھی ہوتا تو غالب کے شعر پر اکبر علی خاں یا عرشی صاحب کا حق کیوں کر ہو گیا؟ یہ سب لغو باتیں ہیں۔ حیرت ہے کہ توفیق صاحب کیسے شخص کے پھندے میں آ گئے ہیں' یہ تو اکبر علی خاں کا کرم ہے جو انہیں یہ یاد ہے کہ ''آپ سے پہلے ہی کی مدّات کافی ہیں'' مجھ ہی پر موقوف نہیں اس ملک میں غالب سے محبت کرنے والے ہر شخص کی جیب پر اکبر علی خاں کی نظر رہی ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ قیامت تک مجھے یہ دیوان نہیں بھیجیں گے۔

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ یہ سوچ رہے ہیں کہ یہاں کے رسائل واخبارات میں مضامین اور خبریں اس اشاعت کے بارے میں ہر روز شائع ہو رہی ہیں۔ واضح رہے کہ خبر اس دیوان کے شائع ہونے کی تو ضرور چھپی ہے لیکن اور کوئی چیز نہیں چھپی ہے۔

[مکتوب ۲۹/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۳) طفیل صاحب نے اب تک اطلاع نہیں دی ہے کہ انہیں مضمون ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' مل گیا یا نہیں' کیا آپ اپنا ایک فوٹو گراف اُن صاحب کے ساتھ نہ بھیج دیں گے جو عنقریب آ ئیں گے۔ غالب کے دیوان کا مسودہ لائیں گے' حواشی لگائیں گے ـــــ یہ تصویر اس لئے بھی ضروری ہے کہ ممکن ہے طفیل صاحب مضمون سے قبل تصویر شائع کریں' ورنہ دیوان جب چھپے گا اس میں تو لازماً شائع کراؤں گا۔ مضمون کی نقل آپ کے پاس ہو تو ضرور طفیل صاحب کو فوراً بھجوا دیجئے۔ [مکتوب ۳۱/اکتوبر ۱۹۶۹ء]

(۵۴) یکم نومبر کو طفیل صاحب نے مجھے ٹیلیفون کیا اور حکم یہ کہ فوراً پہنچو ــــــ جو پہلی ٹرین ملی اس سے میں لاہور چلا گیا اور چھ گھنٹے کے سفر کی تکان کا فور ہو گئی جب طفیل صاحب کو ہمہ تن منتظر پایا۔ بعد مغرب ہم دونوں جناب حکیم صاحب کے پاس سمن آباد پہنچے، حکیم صاحب عرشی صاحب کے ہم جماعت اور دوست ہیں اور اکبر صاحب نے انہی کے صاحبزادے ڈاکٹر صغیر کو یہاں کے لئے مختار کل بنایا ہے۔ انہوں نے ایک رقعہ اکبر صاحب کا طفیل صاحب کو بھی دے دیا جو معلوم نہیں کیا تھا۔ بہر کیف میری نظر اس خط پر تھی جو حکیم صاحب کو لکھا گیا ہے۔ شرائط یہ تھیں کہ مرتب کو پچیس فی صد رائلٹی ملے۔ پچاس فی صد منافع ملے اور نسخہ کم از کم پانچ ہزار شائع ہو۔ بمشکل ہنسی ضبط کر سکا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھوکا بھکاری ہو اور جسے پلاؤ کی قاب مل گئی ہو جسے وہ ایک ساتھ نگل جانا چاہتا ہو، ہم دونوں وہاں سے چلے آئے۔ البتہ انہیں یہ بتلایا گیا کہ وہاں تو ''الٹی ہو گئیں سب تدبیریں'' والا معاملہ پیش آ چکا ہے اور ابھی یہ طے ہونا باقی ہے کہ مالک کون ہے؟ اس لئے حکیم صاحب کا اعلان بے معنی ہوگا ــــــ میں شب کو گیارہ بجے اُس تمام کام کو دیکھ کر آیا جواب تک ہو چکا ہے اور آپ کو ایک تار بھی دیا کہ ولید صاحب سے مضمون نہیں مل پاتا اس لئے فوراً مضمون بھیجئے ــــــ صبح کو پانچ بجے ولید صاحب کے گھر جا پہنچا انہوں نے بہانے تو بہت کئے مگر میں کسی طرح آمادہ نہ ہوا اور نو بجے پریس جا کر مضمون لے آیا۔ اُس کے شروع کے دو صفحات نہ ملے۔ اس کا غم نہیں کیا کیونکہ وہ چھپے ہوئے میرے پاس موجود تھے اور جو میں پہلے ہی طفیل صاحب کو دے چکا تھا۔ رات کو آپ کو دوسرا تار دیا کہ مضمون مل گیا ہے ــــــ ''تلاش غالب'' تو مئی میں تیار ہو چکی تھی لیکن آپ نے پابند کر دیا تھا کہ جب تک آپ کا تار نہ ملے کتاب (Release) نہ کی جائے ــــــ مئی ۱۹۶۹ء میں اگر آپ نے اجازت دے دی ہوتی تو کتاب اب تک ختم ہو چکی ہوتی اور دوسرا ایڈیشن آ چکا ہوتا۔

[۳/نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۵) میں نے تو خود حالات کے پیشِ نظر آپ سے استدعا کی کہ تھی اس سلسلے میں آپ کا نام نہیں آنا چاہئے اور آپ کا نام نہیں آئے گا۔حصول کی بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اگر آئندہ کبھی ضرورت پڑی تو میں خود اس ذمہ داری کو قبول کرلوں گا۔آپ کو اپنے احباب پر مکمل اعتماد ہونا چاہئے۔آپ کی کوئی تحریر آپ کا کوئی کارڈ یا رقعہ تو بڑی بات ہے کوئی شخص اگر صرف وہ لفافہ بھی لینا چاہے جس پر آپ کے قلم سے پتا لکھا ہے تو وہ میری لاش پر سے گزر کر ہی اُسے حاصل کرسکتا ہے۔امید کرنا چاہئے کہ طفیل صاحب بھی آپ کے جذبات کا پورا پورا خیال کریں گے —— کام اشاعت کا نہایت تیزی سے ہو رہا ہے۔۲۶/ نومبر ۱۹۶۹ء کو رسم اجراء ہوگی ممکن ہے دو تین یوم قبل ہی ہو جائے۔اصل میں جن صاحب کو اس اجتماع کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا ہے وہ غالب ہی کے خاندان سے ہیں۔بہت بڑے آدمی ہیں ان کی معروفیت کے پیشِ نظر ۲۴/نومبر سے ۲۶/نومبر تک کسی دن یہ رسم اجراء ہو سکے گی ——اس نسخے کے سلسلے میں مکمل روداد آپ کے اُس خط سے معلوم ہوگئی تھی جو طفیل صاحب نے پڑھنے کو دیا تھا لیکن ہم لوگوں نے دیدہ دانستہ اس خبر کو کچھ وقت کے لئے التوا میں ڈال دیا ہے۔۲۶/نومبر کے بعد وہ خبر بھی اخبارات کی زینت بنے گی ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔اکبر صاحب دروغ گوئی میں باکمال انسان ہیں۔حکیم صاحب کو لکھا کہ ایک نسخہ پریس سے لایا ہوں' مجھے تعداد تین لکھی اور طفیل صاحب کو لکھا کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ قیمت مجھے ایک سو پچیس روپے بتلائی ہے۔آپ کہتے ہیں کہ تین سو روپے ہے' عجیب معاملہ ہے۔اگر وہ قیمت جو مجھے لکھی ہے وہ بھی صحیح ہو تب بھی اتنی مہنگی کتاب کون خرید سکتا ہے۔اور اگر یہ حماقت بھی کی گئی ہے کہ دوسرے صفحے پر غزلیات کی کتابت نہیں کرائی گئی تو خط شکست اس زمانے میں کتنے لوگ جانتے ہیں؟ —— (توفیق احمد) نے آپ سے ایک معاہدہ کیا اور اسے فسخ کردیا' ظاہر ہے کہ آپ کو نقصان پہنچایا' آپ کو واقعی انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے —— سہیل صاحب نے آمادگی ظاہر کردی ہے کہ وہ

دیوان چھاپیں گے اور اسی نہج پر ـــــ [مکتوب ۶/نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۶) آپ نے جو یہ لکھا کہ اس دیوان کو آپ کے نام سے کیوں نہ چھپوایا جائے؟ کہاں چھپوادیا جائے۔ یہاں یا وہاں؟ پہلی بات تو یہ کہ میں کسی کی محنت کو اپنی جھولی میں نہیں ڈال سکتا۔ دوسری بات یہ کہ ابھی آپ ایسا کیوں سوچیں؟ اگر حالات و معاملات کی نزاکت ایسی رہی کہ اسے میرے نام سے شائع ہونا چاہئے تو میں یہ ذمہ داری قبول کرلوں گا' لیکن ابھی ایسا سوچنا قبل از وقت ہے ـــــ اچھا ہوا کہ اکبر صاحب سے آپ کی گفتگو ہوگئی اور (توفیق) سے بھی' بہتر تو یہ ہوتا کہ اس گفتگو کا ٹیپ ریکارڈ کرلیا جاتا ـــــ آپ نے اچھا کام کیا جو اہتمام حجت بھی کردی' یہ تو درست ہے کہ آپ کو اس چیز کے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے مگر جب تک قانونی صورت نہ ہو کیا ہوسکتا ہے؟ ـــــ یہ بات ہمیشہ کے لئے طے سمجھئے کہ آپ نے جو اعتماد مجھ پر کیا ہے اس اعتماد کو زندگی کے آخری سانس تک ٹھیس نہیں پہنچے گی ـــــ'' [مکتوب ۱۲/نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۷) جو الزام اور جس نوعیت کا الزام وہ (اکبر علی خاں) کسی شریف انسان پر عائد کرسکتے تھے وہ خود اب اُن پر عائد ہو رہا ہے۔ انہوں نے نسخۂ عرشی زادہ کے پروف طفیل صاحب کو بھیجے ہیں اور چاہتے ہیں یہ کہ ان کی شرائط بتوسط حکیم نبی احمد خاں صاحب طے کر لیں یعنی وہ چاہتے ہیں کہ محض یہ پروف دے کر روپے بٹوریں' مقدمہ بازی کریں اور توفیق احمد صاحب کو کچھ نہ دیں ـــــ میں یہ سب باتیں طفیل صاحب سے کہہ تو سکتا ہوں مگر میرے اور ان کے درمیان اچھی بے تکلفی کی وہ فضا پیدا نہیں ہوسکی ہے جہاں انسان ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر دوستی نبھانے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ آپ ان سے کہہ سکتے ہیں ـــــ انگریزی میں کہاوت ہے کہ محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ یہاں تو دونوں چیزیں یک جا ہیں غالب سے محبت بھی اور بدمعاہدہ لوگوں سے جنگ بھی۔ پھر آپ کیوں ڈریں؟ یا یہ کہ وہ (توفیق احمد) کیوں ڈرے کہ جسے اتنی عقل نہیں ہے' کہ معاہدہ

کیا ہونا چاہیئے"۔ [مکتوب ۱۶/نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۸) آج اکبر علی خاں کا خط میرے نام بھی آیا ہے جتنی باتیں میں نے پوچھی تھیں وہ تو گول کر گئے۔ لکھا ہے کہ :

"۔۔۔ نسخۂ عرشی زادہ کے لئے آپ کا اشتیاق بجا ہے ادھر آپ سے شرمندہ ہوں کہ تا حال کوئی خاص فرمائش پوری نہیں کر سکا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی قیمت سوا سو روپے رکھی جائے اگرچہ یہ بھی بہت تھی مگر چونکہ Super Deluxe کے طور پر بڑے اہتمام سے طباعت ہوئی اور لاگت اندازے سے بہت زیادہ ہوگئی۔ اس لئے اور بھی کہ مالک مخطوطہ سو کاپیوں سے زیادہ طبع کرانے پر آمادہ نہیں ہوئے اس لئے تین سو روپے فی کاپی قیمت قرار پائی اور اس کی لاٹ کی لاٹ دہلی کے ایک بک سیلر نے خرید لی ان کا پتا یہ ہے:

پاپولر بکس۔ ۹۹۳ بازار چتلی قبر دہلی ۔۶

معلوم ہوا کہ ہاتھوں ہاتھ نکل گئی اُن کے پاس سے آپ کا اشتیاق بہت ہے اس لئے پروف کا ایک ورق پڑا ہوا تھا میرے پاس وہ ملفوف کرتا ہوں۔ زیر نظر لیٹر پیڈ کی زمین پر دیباچہ اور حواشی چھاپ دیئے ہیں"۔

۔۔۔ میں رہ رہ کر ہاتھ ملتا اور پچھتاتا ہوں کہ مئی ۱۹۶۹ء میں جب کتاب کمپوز ہو گئی تھی تو اسے اسی وقت بازار میں آ جانا چاہیئے تھا ۔۔۔ بعض اوقات جی چاہا کہ بغیر آپ کی اجازت لئے قدم اٹھالوں مگر آپ سے ڈرتا ہوں۔ آپ کی تحریروں سے جو میں نے آپ کے مزاج کی کیفیت تلاش کی ہے وہ یہ کہ آپ یقیناً زود رنج ہوں گے اور میں کسی قیمت پر آبگینوں کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا ۔۔۔ آپ کی کسی بات کو ٹالتے ہوئے یا حکم کے بغیر خود کوئی فیصلہ کرتے

ہوئے مجھے ہمیشہ خوف آیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یقین کیجئے یہ کتاب کب کی فروخت ہو چکی ہوتی اور آج جن مصائب کا سامنا ہے ان سے ہم لوگ بچ جاتے ـــــ"

[مکتوب ۱۷/نومبر ۱۹۶۹ء]

(۵۹) طفیل صاحب گفتگو میں بھی اور تحریر میں بھی بہت محتاط انسان ہیں۔ میرا معاملہ دوسرا ہے۔ میرا دوستی کے معاملے میں خیال ہی دوسرا ہے۔ جب دوستی ہے تو پھر تادم مرگ بہر قیمت اُسے نبھانا ہے اور اس نباہنے میں بڑے سے بڑا الزام بھی آتا ہے تو اُس کا غم بیکار ہے ـــــ [مکتوب ۲۰/نومبر ۱۹۶۹ء]

(۶۰) آپ جس قدر جلد ممکن ہو بھوپالی صاحب سے مضمون حاصل کیجئے کیونکہ طفیل بھائی کا تقاضا سخت ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ تحریر ایسی ہو کہ اُس میں سقم باقی نہ رہے۔ مضمون سے طباعت و اشاعت کے حقوق خواہ آپ کے نام ہوں یا کسی اور کے' جو طفیل صاحب یا میرے نام منتقل ہو جائیں یہ اس لئے ضروری ہے کہ اگر اکبر صاحب یہاں کوئی گڑ بڑ مچائیں تو ہم لوگ اپنا دفاع تو کر سکیں گے کیونکہ یہ قطعی یقینی امر ہے کہ "نقوش" کی اشاعت کے بعد جو دھما کہ ہوگا اس کی گرج چمک سے سب سے زیادہ تکلیف تو اکبر علی خاں اینڈ کو ہی کو ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ جلد از جلد مضمون ہاتھ آ جائے یہ بھی خیال رہے کہ انہیں یہ گریہ ہوگی کہ "نقوش" کا ذریعہ حصول کیا ہے؟ اب یہ ہمارا اخلاقی فریضہ بھی ہے کہ طفیل صاحب پر آنچ نہ آئے ـــــ (توفیق احمد) سے کہلوایئے کہ جو شخص جو ادارہ اس مخطوطہ کو خریدے گا تو کیا اُسے وہ شہد لگا کر چاٹے گا؟ جب تک اس کو شائع کرنے کے حقوق نہ ہوں گے اس لئے اُس کا معاہدہ جب تک باقی ہے اسے خریدے گا کون؟ ضروری ہوا کہ اُس معاہدہ کی تنسیخ ہوتا کہ اس کا مخطوطہ فروخت ہو سکے۔

طفیل صاحب نے بتلایا کہ "نقوش" تیار ہو چکا' جلد بندی ہو رہی ہے' آج کل روزانہ بیچارے رات کو بارہ بجے تک بیٹھے رہتے ہیں اور کام کی تکمیل کرا رہے ہیں۔ افسوس

کہ آپ کا فوٹو دیر سے پہنچا ورنہ ضرور شامل ہوتا ـــــ مجھ سے یہاں اُن احباب نے جو دعوت پر جمع تھے (جب طفیل بھائی آئے تھے) پوچھا تو میں نے کہا کہ جس فوٹوگرافر نے فوٹو تیار کیا اُسے معقول معاوضہ نہ ملا اُس نے نیگیٹو رکھ لیا اور فروخت کرتا رہا۔ میرے بھی ایک عزیز کو معلوم تھا کہ مجھے کس قدر دلچسپی ہے انہوں نے فوٹوگرافر سے خرید کر بھیجا ہے۔ (یعنی نسخۂ امروہہ کا عکس خرید کر بھیجا ہے۔ انیس ۸/ نومبر ۱۹۹۷ء)۔ [۲۳/ نومبر ۲۹]

(۲۱) اکبر صاحب نے Off Prints کے ساتھ جو شرائط لکھی ہیں اُن پر کوئی ذی ہوش انسان عمل نہیں کرسکتا۔ طفیل صاحب اگر اپنا مکان اور پریس سب ہی کچھ فروخت کردیں تب بھی اکبر صاحب کے مطالبات پورے نہیں کرسکتے۔ طفیل صاحب نے میری معلومات کی حد تک اکبر صاحب کو جواب ہی نہیں دیا۔

اب جو آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ میں طفیل بھائی کو مطمئن کردوں تو صاحب میں انہیں کچھ نہیں لکھنا چاہتا' آپ کے ہر حکم کی تعمیل بسروچشم کروں گا مگر طفیل بھائی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ اس سلسلے میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں براہ راست اُنہیں کو لکھئے مجھے اپنی کم عقلی اور حماقت کا پہلے بھی اعتراف تھا اب بھی ہے انہوں نے جو کچھ گزشتہ خط میں مجھے لکھا ہے میرا دل دکھانے کے لئے وہی کافی تھا جو کسر (کذا) رہ گئی تھی وہ آج ان کے پرچے کو دیکھ کر پوری ہوگئی۔ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ میں نہ آپ کو بتاؤں گا اور نہ آپ مجھ سے پوچھیں گے ـــــ آپ نے تو ان سے پرچے کی پچاس کاپیوں کے لئے لکھا لیکن میں اُن سے ایک بھی نسخہ نہیں لینا چاہتا ـــــ

نقوش غالب نمبر حسن طباعت کا اعلیٰ نمونہ ہے اس کا گرد پوش اس قدر خوب صورت ہے کہ میں نے کسی کتاب کا اتنا عمدہ ڈسٹ کور نہیں دیکھا۔ مجھے جس چیز سے دکھ پہنچا ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے تو انہوں نے آپ کے مضمون کا عنوان ہی بدل دیا۔ اُس مضمون کا عنوان اب ''بیاض غالب'' ہے اور اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے وہ یہ ظاہر نہیں کرنا

چاہتے کہ یہ مضمون پہلے ''تلاشِ غالب'' میں چھپ چکا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے ان سے بار بار درخواست کی تھی کہ ایک پورے صفحے پر صرف یہ الفاظ ہوں: ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' انہوں نے لکھا ہے ''نودریافت بیاضِ غالب بخطِ غالب'' پھر انہوں نے اپنے ''طلوع'' میں لکھا ہے: ''چونکہ یہ بیاض سب سے پہلے لاہور میں چھپی ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ اسے ''نسخۂ لاہور'' کے نام سے یاد کیا جائے''۔ غالباً یہ آئندہ نسلوں کے لئے وصیت ہے' اگر طفیل صاحب پہلے سے یہ سب باتیں بتلا دیتے تو دل نہ کُڑھتا' انہوں نے تو مجھے یہ بھی کہا تھا کہ سوائے نسخۂ امروہہ کے وہ اس میں کچھ شامل نہیں کریں گے۔ لیکن آپ کے مضمون ''بیاضِ غالب'' کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین اور ہیں ـــــ سفید کاغذ نہایت عمدہ استعمال کیا گیا ہے' بیاضِ غالب کی زمین ہلکے سبز رنگ کی ہے' حاشیے پر اُلٹی جانب دو رنگ میں خوش نما بیل ہے۔ قیمت اس کی تیس روپے ہے۔ صفحہ ۳۷۲ جو اس نمبر کا آخری صفحہ ہے اس پر آپ کی کتاب ''تلاشِ غالب'' کا اشتہار ہے' میں شاید دو چار دن میں طفیل بھائی کو خط مبارک باد کا لکھوں گا۔ خط تو آج ہی لکھتا لیکن کیا کروں دل ہے جو اداس ہے ـــــ

[کیم دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۲) میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ نقش دوم ''نقوش'' کا جو شائع ہوا ہے اُس کی رسم اجرا پنڈی میں ہوئی۔ ۱۵ دسمبر کو لاہور میں بھی شاندار تقریب ہوئی۔ تمام اخبارات میں طفیل صاحب کا اور آپ کا نام آ رہا ہے۔ نقوش غالب نمبر ۲ کی اشاعت سے عجیب قسم کا Sensation یہاں پھیلا ہوا ہے اور ساتھ ہی اخبارات میں یہ خبر بھی آئی ہے کہ آپ کے دیس میں ملکیت کا حق ثابت ہونے کے لئے مقدمہ دائر ہوا ہے اور یہ کہ ذریعۂ حصول ایک سربستہ راز ہے لیکن طفیل صاحب کی اس سے بڑی شہرت ہوئی ہے ـــــ

[مکتوب ۱۸ دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۳) طفیل بھائی نے اگرچہ آپ کے مضمون کا عنوان بدل دیا ہے مگر مضمون میں

تبدیلی نہیں کی ۔اگر انہوں نے ''نسخۂ لاہور'' اس کا نام تجویز کیا تو شاید اُس دوستی کی بناء پر جو آپ دونوں کے درمیان ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بات اس موضوع پر ہو سکتی ہے تو آپ دونوں حضرات ہی کسی فیصلے پر پہنچ سکتے ہیں۔ میں نے انہیں ایک نہایت طویل خط لکھا ہے اور انہیں یہ تسلی دی ہے کہ شفیق صاحب کا مضمون بہر حال اُنہیں مل جائے گا ذمہ داری میری ہے۔ چنانچہ اب آپ سے یہ درخواست ہے کہ بلا تاخیر ان سے مضمون حاصل کیجئے اور کسی طرح بھیج دیجئے تاکہ طفیل بھائی کے تمام خدشات دور ہو جائیں ـــــ اکبر علی خاں کا ایک خط کل آیا ہے اُس کا ایک طویل اقتباس یہ ہے:

''مالک مخطوطہ ایک جاہل محض ہے اُسے یہ ڈر تھا کہ اگر زیادہ تعداد میں کتاب طبع ہوگی تو اُس کی قیمت فروخت پر اثر پڑے گا۔ چونکہ میں اسے بہر صورت وبہر قیمت مرتب اور شائع کرنا چاہتا تھا اس لئے مالک کی ہر جائز و ناجائز بات ماننی پڑی۔ اگر اس کتاب کی قیمت کم ہوتی یعنی سوا سو بھی ہوتی تو یقیناً اس کی مقبولیت اور بھی بڑھ جاتی۔ ادارۂ یادگار غالب نے اسے شائع کیا اور پاپولر پبلی کیشنز ۹۹۳ بازار چتلی قبر دہلی نے خرید لیا۔ شاید (یقین سے نہیں کہہ سکتا) غالب اکیڈمی نظام الدین نئی دہلی میں کے پاس بھی برائے فروخت کچھ جلدیں دو چار موجود ہیں۔ ایک صاحب نے وہیں سے خرید کر بھیجی ہے اپنے ایک دوست کو۔ ارادہ یہ ہے کہ اسے آپ کے دیس میں بھی طبع کرایا جائے وہاں ان شاء اللہ ناشر سے درخواست کروں گا کہ قیمت کم رکھی جائے۔ اس ایڈیشن میں تو برابر ادارے کو نقصان رہا ہے صرف لاگت واپس آئی ہے اور وہ بھی کھینچ تان سے۔ آئندہ ایڈیشن کی نوبت اب مخطوطے کی فروخت کے بعد ہی آسکے گی۔

شروع میں ایک صاحب کے (ساتھ) چار جلدیں پروفیسر حمید احمد
خاں، محمد طفیل صاحب اور مولانا مہر کی خدمت میں پیش کرنے کے
لئے سپرد کی تھیں مگر انہوں نے ابھی تک ان حضرات کو نہیں
پہنچائیں ان صاحب کا وہاں کا پتا معلوم نہیں کہ تقاضا کروں، رسم اجرا
کا ارادہ تھا پھر سوچا کہ سرگشتۂ خمار رسوم و قیود ہونا کیا ضروری ہے اس
لئے اس خیال کو ترک کر دیا ــــــ'' [مکتوب ۱۴/دسمبر ۱۹۶۹ء]

[اگر یہ ۱۴/دسمبر کے خط سے اقتباس ہے تو یہاں غلط یعنی بے ترتیب نقل ہوا ہے،
یہ چار نہیں ۱۴/۱۱دسمبر کے خط کا حصہ رہا ہوگا۔ انیس ۱۸ نومبر ۱۹۹۷ء]

(۶۳) آپ کا خیال درست ہے کہ میری اور ان (محمد طفیل صاحب) کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا، میں چونکہ نام و نمود کا قائل نہیں ہوں اور چھپنا چھپانا بھی کبھی پسند نہیں کیا اس لئے میرے اور اُن کے خیالات کا ٹکراؤ کبھی نہیں ہوا۔ لیکن میرا ماتھا اسی روز ٹھنکا تھا (یہ بات نومبر ۱۹۶۹ء کی ہے) جب آپ کی ہدایت کے بموجب میں نے وہ خط جو آپ نے انہیں لکھا تھا اپنے پاس محفوظ کرنے کو طلب کیا اور انہوں نے نہیں دیا گو ملائمت اور نرمی اُن کے لہجے میں تھی تاہم جب آپ کی واضح ہدایت موجود تھی کہ وہ خط میرے پاس رہے میرے حوالے کیا جائے تو انہیں دے دینا چاہئے تھا۔ بہر کیف اب جس طرح بھی ہو اس سلسلے کو چلنے دیجئے اس وقت ایسا مرحلہ ہے کہ خاموشی ہی زیادہ مناسب ہے ــــــ

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چچا جان نے ۱۵/اکتوبر ۱۹۶۹ء کی صبح کو مجھے عکس دیئے تھے میں ۱۷/اکتوبر کی شب کو واپس آیا اور جس وقت لاہور سے روانہ ہوا تو طفیل صاحب کے دفتر سے میری اٹیچی میں عکس موجود تھے مگر میں نے ان سے ذکر تک نہیں کیا صرف اس لئے کہ آپ کی اجازت نہ تھی بلکہ میں نے ۱۸/اکتوبر کو جو خط آپ کو لکھا اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے امانت کو ان کی معرفت کیوں بھیجا؟ اگر چچا جان ان کو دے آتے اور وہ دیکھتے تو

بدگمان ہوتے کہ آپ نے مجھے بھیجئے براہِ راست انہیں کیوں نہ بھیجے؟ ۱۹/اکتوبر کو آپ کا خط ملا تھا اور آپ کا حکم تھا آپ کی اجازت تھی کہ انہیں یہ امانت دے دوں۔ چنانچہ اسی روز میں نے انہیں ٹیلیفون کیا اور وہ ۱۲/اکتوبر کو آئے اور امانت لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ میری خواہش تھی کہ وہ شائع ہو لیکن میں نے اس وقت تک ان سے ذکر نہیں کیا جب تک آپ کی اجازت نہ آ گئی۔

میں جس چیز سے کبیدہ خاطر ہوا وہ اُن کی ۲۴/نومبر کی تحریر تھی۔ اس کا مفہوم کچھ یوں تھا کہ جب وہ اتنی طویل کتاب دے رہے ہیں جس کے صفحات دو ہزار ہیں تو اس لئے کہ انہیں جملہ پریشانیوں سے نجات ملے اور وہ اُسے آئندہ بھی دھڑلے کے ساتھ شائع کر سکیں۔ اگر یہ بات پوری نہیں ہونا ہے تو پھر مزید صفحات کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ صرف درازیٔ زلفِ جاناں والی قسط ہی کافی ہے۔ مجھے یہ بھی ہدایت تھی کہ یہ باتیں آپ پر واضح کر دوں' ایک جملہ اور بڑھایا کہ پہلی قسط کتاب کی جس مقصد کے لئے دی ہے وہ بہر حال پورا ہونا چاہئے ـــــ براہِ راست وہ اس لئے نہیں لکھ رہے تھے کہ آپ نے براہِ راست ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ آخر میں پھر ایک چرکا لگا کہ میں آپ کو لکھوں کہ کتاب کا پہلا باب اس لئے کہ معاملہ لٹکے اور مزید صفحات اس لئے دیں گے کہ انہیں حقوق اشاعت واپس ملیں' اس تحریر کا جب آخری جملہ پڑھا تو دل پر یوں لگا جیسے کسی نے منوں وزنی برف کی سِل رکھ دی ہے: ''آپ جس حد تک دلچسپی لے رہے ہیں وہ مرعوب کن ہے'' میری اس دلچسپی کا قصہ بھی سن لیجئے: میں انہیں مسلسل یہ لکھتا رہا تھا کہ صفحہ اوّل پر نمایاں طور پر درج ہونا چاہئے ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' جتنی مرتبہ لکھا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے لکھا کہ اس پر تحریر ہو کہ اس کے حقوق اشاعت محفوظ ہیں' انہوں نے ایک سطر لکھی تو ضرور ہے مگر وہ الفاظ نہیں لکھے جو میں چاہتا تھا' اُن کی ۲۴/نومبر کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے میں نے خود ان سے یہ کتاب طلب کر لی تھی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ

آپ نے لکھانہ میں نے کہا۔انہوں نے خود ہی کہا تھا کہ وہ ایک طویل کتاب لکھ دیں گے۔ قسط اوّل کے لئے آپ کا حکم تھا سو ان سے کہہ دیا تھا۔ پھر مجھے یہ بھی رنج تھا اور ہے کہ دوستوں میں ایسی معمولی معمولی باتوں کے لئے شرائط نہیں لگائی جاتی ہیں۔[1]

میں نے ان کے تین خطوں کا جواب نہیں دیا چوتھا خط جو ۳۰ نومبر کا لکھا ہوا تھا اس میں لکھا: "کیا میری کسی بات سے ناراض ہو گئے؟ اگر یہ بات ہے تو پھر میں یہ کہوں گا" پہلے مجھے پڑھ لیجئے" جب تک یہ نہ ہوگا میرے خطوں کا مفہوم آپ کی سمجھ میں نہ آئے گا ___ "۔ ۲ دسمبر کو میں نے انہیں چار صفحات کا طویل خط لکھا اب وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ میرا خط ہی انہیں نہیں ملا' حالانکہ یہ خط اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو کسی اور کو نہ جاننی چاہئیں ___ آج بھی ان کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ "اس نمبر کے بکنے کی رفتار مایوس کن ہے اب کے اتنی وی پی واپس آئی ہیں کہ زندگی میں اور کسی نمبر کی نہیں آئی تھیں"۔ ابھی کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب شائع ہوئی تھی "دبستانِ غالب" اس کی قیمت پچیس روپے ہے اور وہ فروخت ہو رہی ہے لیکن "نقوش" کا غالب نمبر ۲ جس کی قیمت صرف تیس روپے ہے اور جس میں غالب کا مکمل دیوان خود اس کے قلم سے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہو فروخت نہیں ہو رہا' کیا کہا جا سکتا ہے! نقوش غالب نمبر ۱ آپ دیکھ ہی چکے ہیں اُس کی اوّل اشاعت ختم ہو گئی تھی اور اسے دوبارہ شائع کرنا پڑا تھا۔ میں نے انہیں لکھ دیا ہے کہ وہ

---

[1] اس خط میں کچھ باتیں رمزیہ انداز میں کہی گئی ہیں ان کی وضاحت ضروری ہے۔ طفیل صاحب چاہتے تھے کہ جس شخص نے نسخہ توفیق احمد کے ہاتھ گیارہ روپے میں فروخت کیا تھا اُسے دو ہزار روپے دے دیں بشرطیکہ وہ یہ تحریر لکھ کر دے کہ اس نے نسخہ فروخت کرنے سے پہلے فلاں شخص کو عکس لینے اور چھاپنے کی اجازت دے دی تھی۔ دو ہزار صفحات کی کتاب سے مراد دو ہزار روپے ہیں' اس کی پہلی قسط پانچ سو روپے انہوں نے کسی مقصد سے بھیجی تھی جو پورا کیا گیا مگر اس کا سب سے زیادہ نقصان غریب توفیق احمد کو ہوا جس کے کئی ہزار روپے مقدمہ بازی میں خرچ ہوئے اور نتیجہ ڈھاک کے تین پات رہا۔

جس مضمون کے طلب گار ہیں وہ انہیں مل جائے گا اور اس کا بہم پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔ اوّل تو انہیں ذریعۂ حصول کے بارے میں لب کشائی کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن بالفرض کوئی ایسی پریشانی لاحق ہو ہی جاتی ہے تو وہ میرا نام لے دیں ــــ جس طرح بن پڑے ان کا مطلوبہ مضمون کسی کے ہمراہ بھیج دیجئے جب سب سے قیمتی متاع ہی سپرد کر دی تو اب اس ذرا سی چیز کے لئے کیوں کوئی الزام آئے۔ [مکتوب ۱۳/دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۵) یہاں اخبارات میں ''نسخۂ امروہہ'' کی دھوم مچی ہوئی ہے ایک بھی اخبار نے ''نسخۂ لاہور'' نہیں لکھا۔ ''نسخۂ امروہہ'' ہی لکھا ہے اور ہر شخص آپ کو جاننا چاہتا ہے۔ مجھ سے بھی بعض لوگوں نے استفسار کیا مگر میں نے چپ سادھ لی۔ [۱۹/دسمبر ۱۹۶۹ء]

(۶۶) سہیل صاحب لندن نہیں گئے مگر جس طرح وہ پچھتائے ہیں وہ دیکھنے والی چیز تھی میں نے تو ان سے کہا کہ ان کی تساہلی کا نتیجہ ہے کہ بازی کوئی اور مار لے گیا۔ خیر اب سہی' آپ بلا تامل حواشی لکھئے اور جو کچھ کام اُس کے متعلق ہو لکھ کر بھیج دیجئے' وہ جب ملتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ ''صاحب آپ زبانی جمع خرچ کرتے ہیں تحریر آپ کے پاس نہیں ہے بات کیا طے کریں''۔ آپ حواشی اور مقدمہ لکھ دیجئے ان کی یہ شکایت بھی دور ہو جائے گی۔[1]

[مکتوب ۱۴/جنوری ۱۹۷۰ء]

(۶۷) بھائی میرے' ان (اکبر علی خاں) کے مختار کار حکیم صاحب جو لاہور میں ہیں وہ سخت پریشان کرر ہے ہیں۔ قانونی حیثیت اگرچہ کچھ نہیں ہے لیکن وہ اخلاقی دباؤ بہت سخت

۱؎ ابتدا میں میرا اور لطیف صاحب کا یہی ارادہ تھا کہ اسے کسی اچھے ناشر سے کتابی صورت میں اعلیٰ پیمانے پر شائع کرایا جائے۔ لطیف صاحب نے اشاعت کے لئے سہیل افتخار صاحب کو آمادہ کر لیا تھا' محمد طفیل مرحوم سے میرے تعلقات کی نوعیت ایسی تھی کہ نسخہ ان کے حوالے کرنے کے بعد میں نے یہ خیال دل سے نکال دیا تھا۔ مگر لطیف صاحب نقوش میں چھپنے کے بعد بھی دوسرے ادارے سے اس کی اشاعت کے لئے کوشاں رہے۔

ڈال رہے ہیں۔ وقار عظیم صاحب وغیرہ کو درمیان میں ڈالا ہے طفیل صاحب کے پاس جزوی و کلی حقوق موجود ہیں۔ یہی انہوں نے پرچے پر چھاپا ہے۔ حکیم صاحب یہ چاہتے ہیں کہ وہ حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ یہی نہیں بلکہ اکبر علی خاں کی روانہ کردہ تمام شرائط کو تسلیم کرلیں۔۔۔ [مکتوب ۱۶/ جنوری ۱۹۶۹ء]

(۶۸) سہیل صاحب بہت نفیس اور نازک مزاج انسان ہیں وہ ان معنوں میں پبلشر نہیں ہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کتابوں کی طباعت ان کے لئے پیشہ نہیں شوق کا درجہ رکھتی ہے۔ کتابوں کی طباعت پر وہ اس لئے خرچ نہیں کرتے کہ کمائیں انہیں اللہ نے بہت دے رکھا ہے انہیں بے حد ملال ہے کہ جو کام ان کی معرفت ہونا تھا وہ نہ ہو سکا۔

[مکتوب ۲۰/ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۶۹) آج آپ کے خط سے جب معلوم ہوا کہ پرچہ مل گیا تو دل کو خوشی ہوئی بے اندازہ۔ اس میں شک نہیں کہ نقوش کا ایسا شمارہ کوئی اور نہ چھپا ہے اور نہ آئندہ امکان ہے۔ اگرچہ کہ "نقوش" غالب نمبر ۳ کتابت شدہ پڑا ہے مگر مولوی مدن کی سی بات کہاں؟ آپ کا خیال درست ہے کہ عکس اور زیادہ صاف ہو سکتے تھے لیکن طفیل صاحب کو غالباً پریشانی یہ لاحق تھی کہ عرشی زادہ چال نہ چل جائیں اور کوئی دوسرا بازی نہ لے جائے۔ متن میں جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کے بارے میں کبھی زبانی ہی عرض کروں گا لکھنا مناسب نہیں ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ کام ہوا اور زوردار ہوا۔ مگر بھائی جب آپ ملیں گے تو باتیں ہوں گی کہ دل کس قدر خون کرنا پڑا ہے، میری طبیعت کچھ ضرورت سے زیادہ ہی حساس ہے میرے سوچنے سمجھنے کی قوت ہی نہیں میرا سارا وجود صرف ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتا ہے اور میں عضو معطل ہو جاتا ہوں۔ اس کیفیت سے گزشتہ مہینوں میں کئی بار گزرنا پڑا ہے۔

[مکتوب ۲۲/ جنوری ۱۹۷۰ء]

(۷۰) میں نے طفیل صاحب کو ٹیلیفون کر کے معلوم کرلیا کہ انہیں توفیق صاحب کا خط مل

گیا ہے لیکن ان کا کہنا یہ ہے کہ اس سے کام کب چلے گا۔ اب اگر کوئی پبلشر اسے شائع کر لے تو قانونی طور پر وہ اسے کیوں کر روک سکتے ہیں؟ حکیم صاحب بھی اس نقطہ (کذا) کو سمجھ گئے تھے کہ قانونی طور پر وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ تمام بڑے ادیبوں سے اخلاقی اپیل کر رہے ہیں اور یہ اخلاقی دباؤ بہت سخت ہے۔ اب لوگوں کو تو اصل حالات کا علم نہیں ہے اب تو صورت حال یہ ہے کہ اس پر ایک کتاب شائع ہو تو لوگوں کو اصلیت کا علم ہو۔ — آپ تو جانتے ہی ہیں کہ میں نام و نمود سے گھبراتا ہوں۔ معین الرحمٰن صاحب نے ''اشاریۂ غالب'' میں میرا شکریہ ادا کیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اُن سے صرف ایک بار ملا ہوں اور غالب کے سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ اب جو کتاب آئی اور میں نے نام دیکھا تو پریشان ہوا انہیں خط لکھا وہ شاید ناراض ہی ہو گئے ہیں۔ اس لئے آپ انہیں لکھ دیجئے کہ میں ہر خدمت کو حاضر ہوں مگر ضروری نہیں کہ میرا نام بھی آئے۔ ''تلاشِ غالب'' پر آپ نے لطیف عارف چھپوایا ہے مجھے آپ کی محبت اور خلوص کا پاس نہ ہوتا تو میں ہرگز اس کی اجازت نہ دیتا کیونکہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں سوچتا ہوں ایک بار اور لاہور ہو آؤں۔ شیخ مبارک علی کے شیخ صاحبان سے میرے بھی مراسم ہیں۔ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا —— اگر سہیل صاحب یا کوئی اور صاحب آمادہ ہو گئے تو طفیل صاحب کو تو اعتراض بہر کیف رہے گا۔ ''نقوش'' میں جس طرح دیوان شائع ہوا ہے اُس میں بہت سی اغلاط ہیں اگرچہ جن بقراط صاحب نے تصحیح فرمائی ان کا فرمان یہ تھا کہ آپ نے اس دیوان کے پڑھنے میں تیج کھایا ہے —— یہ تو درست ہے کہ آپ اُن (محمد طفیل) سے غافل نہیں ہیں لیکن اگر ان کی حسب منشا کام نہ ہو تو وہ بے حد دردرنج ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ تو انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ مجھے حکیم صاحب کے پیدا کردہ حالات سے مطلع نہیں کریں گے اور بات اتنی تھی کہ جو مضمون آپ انہیں بھجوا سکتے تھے وہ مضمون مجھ سے چاہتے تھے اور میں مضمون انہیں لکھ بھی دیتا۔ میں نے انہیں لکھا بھی کہ صاف صاف

لکھیں کیا چاہتے ہیں لیکن وہ تو بے حد محتاط انسان ہیں ایسی بات کیوں لکھتے ؟ ـــــ آپ کو معلوم ہے کہ جب تک کوئی قانونی چیز موجود نہ ہو کسی پبلشر کو روکنا مشکل ہو گا' اب اگر انہیں یہ معلوم ہو بھی جائے کہ توفیق اور اکبر اپنا پرانا معاہدہ منسوخ کر رہے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ معاہدہ منسوخ ہو گا تب ہو گا اس وقت تک اکبر حکیم صاحب کے توسط سے روپیہ بٹور چکے ہوں گے ـــــ یہ درست ہے کہ غلام علی والے اسے چھاپیں گے تو یہ ناجائز ہو گا مگر سنتا کون ہے؟ [مکتوب ۱۱ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷۱) ـــــ غالب کی قسمت دیکھئے خبطیوں میں پھنس گیا۔ بھوپالی صاحب خبطی (توفیق) ان سے بھی نمبر لے گئے لیکن خیر! اب میں ایک اور وجہ سے پریشان ہوں۔ طفیل صاحب تو مجھ سے ناراض ہیں اب وہ مجھ سے نہ کچھ پوچھتے ہیں اور اس موضوع پر کیا خط کا جواب ہی نہیں دیتے' ان کا خیال یہ ہے کہ اگر بھوپالی صاحب مضمون نہیں دیتے تو وہ ذمہ داری میری ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں خود انہیں مضمون لکھ کر دینے کو تیار ہوں اور وہ چاہتے بھی یہی ہیں لیکن پریشانی یہ ہے کہ وہ یہ نہیں لکھتے کہ مضمون کی نوعیت کیا ہو؟ اور وہ خود اپنی تحریر میں اس قدر محتاط ہیں جیسے کہ میں ان کے خطوط کا مجموعہ شائع کر دوں گا اور ان پر کوئی الزام آ جائے گا۔

حکیم صاحب تو قطعی سمجھ گئے ہیں کہ ان کی دسترس میں کچھ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ اپنی کتاب کسی پبلشر سے شائع کرالیں۔ لیکن ہمارے دوست کی ناراضگی کو دور کیسے کیا جائے۔ حکیم صاحب جس قدر اخلاقی دباؤ ڈال سکتے تھے وہ بھی ختم ہوا ـــــ آپ سے ایک گزارش یہ ہے کہ اس کی تمام تر روداد لکھ ڈالئے۔ ابھی نہ سہی پانچ برس بعد سہی' یہ کتاب چھپے گی تو لاجواب ہو گی۔ ڈی ایچ لارنس کی ناول "لیڈی چیٹرلیز لوَر' شاید اتنی نہ فروخت ہو جتنی "ٹرائل آف لیڈی چیٹرلیز لوَر' فروخت ہوئی۔ یہ "روداد غالب" نہایت دلچسپ ہو گی اور آپ سے بہتر کون لکھے گا؟ [مکتوب ۱۵ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷۲) (توفیق احمد) کا خط عقیل کو مل گیا ہے۔ مجھے یہ انہوں نے استفسار پر ٹیلیفون پر بتلایا تھا لیکن مجھ سے تو وہ خفا ہیں خط ہی نہیں لکھتے میں کئی خطوط لکھ چکا ہوں مگر وہ چپ ہیں۔ میں اب اس سلسلے میں انہیں کچھ نہیں لکھوں گا۔ آپ بھی کچھ نہ لکھئے۔ Avoid کرنا ہی بہتر ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں شاید مارچ کے شروع میں لاہور جاؤں گا تو ان سے باتیں ہوں گی۔ آپ نے جو انہیں تفصیلی سے خط لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو ضرور لکھئے لیکن اس طرح کہ بار ودنہ لگ جائے۔ وہ تو یوں بھی بہت نازک مزاج ہیں زود رنج ہیں چپ سادھ لیتے ہیں اور ناراض ہو جاتے ہیں ـــــ اکبر علی خاں کا خط ان کے پاس آیا ہے جو شکایات سے پُر ہے اور بہت سی باتیں پوچھی ہیں ـــــ [مکتوب ۲۴ فروری ۱۹۷۰ء]

(۷۳) آپ کا ۲۳ فروری کا مکتوب آج ملا ہے۔ پہلا فقرہ "آج کل پریشان ہوں" میرے لیے پریشانی ہی کا نہیں بلکہ دکھ کا باعث بنا۔ میں آپ سے اس قدر دور ہوں کہ آپ کی پریشانی میں ڈھارس بھی نہیں بندھا سکتا۔ اگر آپ پریشانی کا سبب بھی تحریر فرما دیتے تو احسان ہوتا ـــــ میں تو ایک بات اچھی طرح سمجھے ہوئے ہوں کہ بیچارے حکیم صاحب کچھ نہیں کر سکتے اگر وہ کچھ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوتے تو اب تک کر چکے ہوتے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی گرفت جو پہلے بھی مضبوط نہ تھی بالکل ہی ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ اب پریشانی یہ ہے کہ عقیل صاحب جس زاویے سے چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہر شخص اُسی زاویے سے اُن چیزوں کو دیکھے اور سمجھے اور اگر ذرا دوسرے شخص نے دوسرے زاویے سے دیکھا اور وہ چپ سادھ لیتے ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ناراض ہیں آپ کو یہ جان کر شاید حیرت ہوگی کہ میں نے انہیں یہ لکھا تھا کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں مجھے لکھ بھیجیں میں اُسے بعینہٖ اپنے قلم سے نقل کر کے روانہ کر دوں گا۔ چپ ہو گئے"۔ خود وہ اس قدر محتاط ہیں کہ اپنے قلم سے ایک لفظ نہیں لکھنا چاہتے مبادا کوئی پڑھ لے اور کہے کہ اچھا حقیقت یہ ہے۔ حالانکہ انہیں سوچنا چاہئے کہ دوستوں کے درمیان اس قدر احتیاط بدگمانی کا

باعث ہو سکتی ہے ـــــ مثلاً انہوں نے مجھے ایک بار لکھا کہ حکیم صاحب سخت اخلاقی دباؤ ڈال رہے ہیں تو انہوں نے حکیم صاحب سے کہہ دیا کہ "صاحب آٹھ ہزار اوراق کی کتاب دے چکا ہوں" اور مجھے وہ عبارت نہ لکھی جو میں نقل کر دیتا" میں نے انہیں لکھا بھی کہ آپ نمونہ بنا کر بھیجئے باقی میں کام کروں گا مگر احتیاط نے انہیں باز رکھا اور اب تو خط ہی نہیں آتا۔

ـــــ طفیل صاحب کا خیال صحیح تھا کہ عبدالرشید جاہل ہے اور گڑبڑ کردے گا ان کا اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔ البتہ ایک بات میں قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب ۲۹ حضرات کے لئے انہوں نے پرچے بھجوائے تو اس کا انتظام بھی کیا ہوگا کہ اس طرف اسے کوئی تنگ نہ کرے اور یہ بات سمجھ ہی میں نہیں آتی کہ اس طرف یہ حرکت کس نے کی ہوگی۔ آپ اس سے تحقی سے معلوم کیجئے۔ اگر وہاں کوئی حرکت ہوئی ہے تو آپ خود اس معاملے کو ختم نہ سمجھتے ہوئے صحیح حالات معلوم کریں۔ اور اگر ادھر کوئی بات ہوئی ہے تو لکھئے حلق سے نکلوا لیا جائے گا۔ "انتخاب غالب" صرف پچاس پیسے کی کتاب ہے اور ظاہر ہے وہ یرغمال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح "ہمدرد صحت"، "گلفشاں" غالب نمبر قیمتی چیزیں نہیں ہیں کہ یرغمال کرنے والا اُس سے کوئی فائدہ اُٹھا سکے ـــــ یہ ۲۹ حضرات کی فہرست آپ کو لی بھائی یہ جو بن بٹ رہا ہے وہ کس خوشی میں؟ میں نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ بٹن بٹتے دیکھا تھا اور حیران تھا۔ اب ایک جانب تو مالی بحران اور پھر یہ سخاوت' قابل واہ وہات ہے۔ آپ نے بھی ایک خط میں انہیں آف پرنٹ اور پچاس نسخوں کے لئے لکھا تھا بہتر ہوتا وہ یہ انتظام بھی کر دیتے ـــــ طفیل صاحب ہی نے مجھے یہ مژدہ سنایا تھا کہ "تلاش غالب" کی مانگ بہت زبردست ہے۔ ان کی اطلاع کے مطابق کتاب کی جلد بندی ہو رہی تھی مجھے ذاتی طور پر کچھ علم نہیں ـــــ میرے خیال میں مبارک علی کو توفیق سے خط نہیں لکھوانا چاہئے تھا۔ ہمارے دوست کے ہاتھ اتنے کمزور نہیں ہیں کہ دوسرا شخص ڈاکہ ڈال لیتا۔ لیکن اس خط سے اگر شیخ

مبارک علی کے صاحبزادے (مبارک صاحب کا انتقال ہو چکا ہے) ضرور یہ سمجھیں گے کہ یہاں کسی کے پاس حقوق نہیں ہیں۔ واضح رہے کہ ہمارے دوست نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ ہم لوگ جس طرح چاہیں اور جس سے چاہیں طباعت کا معاملہ کر لیں لیکن کسی اور کے ہاتھ میں یہ معاملہ نہ جانا چاہئے۔ یہ انہیں معلوم ہے کہ میں سہیل صاحب سے اِس کی طباعت کے سلسلے میں گفتگو کرتا رہا ہوں ــــ جن بقراط نے مسودہ میں تبدیلی کی ان کا نام میں معلوم کر کے لکھ دوں گا۔ [مکتوب ۱۲/مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۴) عبدالرشید نے جو لغو حرکت کی ہے اُس سے بہت افسوس ہوا کوشش کیجئے کہ وہ صحیح بات بتلا دے۔ میں یقین کے ساتھ ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ جب طفیل صاحب نے اتنے حضرات کے لئے پرچے بھجوائے تھے تو انہوں نے اس کا انتظام بھی کیا ہوگا ایسے غیر ذمہ دار شخص سے آئندہ اجتناب ہی بہتر ہے۔

طفیل صاحب نے بالکل چپ سادھ لی ہے میں حیران ہوں کہ میرا قصور بتلائے بغیر وہ ناراض ہو گئے ہیں' شاید آپ کو خط لکھا ہو میرا لاہور جانا یوں جو ٹل رہا ہے لیکن جاؤں گا ضرور۔ سوچتا ہوں اگر انہوں نے ملنے ہی سے انکار کر دیا تو؟ [۷/مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۵) تلاشِ غالب کی Demand حد سے زیادہ ہے مگر افسوس کہ ولید میر کی نالائقی کی وجہ سے شاید اب تک کتاب مارکیٹ میں نہیں آئی' میں ایسا انتظام کر رہا ہوں کہ حتی الامکان اُس کے تمام واجبات ادا کروا دوں ــــ عبدالرشید نے سخت زیادتی کی ہے۔ واقعہ کے سخت ہونے میں کیا کلام ہے لیکن ضروری ہے کہ اس کی تحقیقات ہو "راوی" کا غالب نمبر تو میں اور بھیج دوں گا آپ کے لئے بھی اور دسنوی صاحب کے لئے بھی' لیکن باقی کتابوں کا تو افسوس ہے ہی۔

ــــ دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ کی روداد حد درجہ دلچسپ کتاب ہوگی۔ آپ یادداشت مرتب کرتے رہئے جب یہ بادل چھٹ جائیں گے تو یہ دھماکہ بھی زوردار ہوگا۔

[مکتوب ۱۲/مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۶) آج میں نے اکبر علی خاں صاحب کو جواب لکھا ہے اپنے خط سے کچھ اقتباسات درج کرتا ہوں:

''آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ مئی ۱۹۶۹ء میں نو دریافت کلام کہاں شائع ہوا؟ نثار صاحب کی کتاب مئی ۱۹۶۹ء میں چھپ چکی تھی بلکہ یوں کہئے کہ اپریل میں چھپ گئی تھی کہ ان کا آخری مضمون ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' اُس میں شامل کرنے کے لئے آیا اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور یہ کتاب میں مئی ۱۹۶۹ء میں ہی لے آیا تھا۔ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ ہاں مارکیٹ میں نہ ملتی ہو تو اس کی اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اس کے بعد اگست ۱۹۶۹ء میں نقوش شمارہ ۲۱۲ (کذا) شائع ہوا تھا اُس میں جلال الدین صاحب کا مضمون ''قدیم ترین نسخۂ دیوان غالب کی دریافت'' یہ مضمون نقوش کے صفحہ ۲۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۳۹ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون میں تقریباً تمام نو دریافت کلام موجود ہے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا اُسی زمانے میں میں کراچی گیا تھا۔ غالباً ''افکار'' میں بھی ایک مضمون میں نے پڑھا تھا۔ لہٰذا یہ بات کہ نو دریافت کلام لوگوں نے نہیں پڑھا تھا غلط معلوم ہوتی ہے۔ آپ کے نسخے کے چھپنے سے قبل ہی تمام نو دریافت کلام سامنے آ چکا تھا۔ آپ نے یہ تحریر فرمایا کہ آپ نے نسخۂ عرشی زادہ کو ستمبر میں (شائع؟) کیا لیکن یہاں مئی ۶۹ء میں ''تلاش غالب'' اور پھر اگست ۶۹ میں جلال الدین صاحب کا مضمون شائع ہو چکا تھا۔ آپ پسند فرمائیں تو

میں یہ کتاب اور ''نقوش'' کا یہ نمبر آپ کو بھیج دوں؟ آپ خود ملاحظہ فرما لیجئے۔ آپ کا خط پڑھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ آپ نے ''تلاش غالب'' کی تلاش میں کسی صاحب کو بھیجا وہ اُسے تلاش نہ کر سکے اور آپ کو یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی چھپی ہی نہیں۔ چلئے یہ بھی تسلیم لیکن ''نقوش'' کا شمارہ ۱۱۳ تو ان صاحب کو مل سکتا ہے۔ ذرا ان صاحب سے کہئے کہ اس نمبر کو تو آپ کو بھیج دیں۔ مالک مخطوطہ کے بارے میں جو رائے آپ نے ظاہر کی ہے وہ صحیح ہی ہوگی کیونکہ اوّل تو اس نے جلال الدین صاحب پھر نثار صاحب کو دیوان نقل کرنے کی اجازت دے دی' یہاں اخبارات سے مقدمہ کی صحیح صورت حال سامنے نہیں آتی۔ بس اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ مقدمہ چل رہا ہے اب یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ اس میں ملوث نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرفا کا یہ کام نہیں ہے لیکن ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے امید کرتا ہوں کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے۔ ایک جانب تو آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''میرا اس سے کوئی مقدمہ نہیں''۔ دوسری جانب آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''نقوش'' میں دیوان بغیر میری اجازت کے چھاپ ڈالا' اگر بھوپال والے صاحب اور موجودہ مالک مخطوطہ اس کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ابھی یہ طے ہونا باقی ہے کہ اصل مالک مخطوطہ کون ہے اور جب یہ طے نہیں ہو سکا تو آپ کی اجازت کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟ کیا آپ نے مخطوطہ خرید فرمالیا ہے؟ یہ باتیں آپ کے خط سے واضح نہیں ہیں۔ ازراہ کرم اس پر ضرور روشنی ڈالئے کہ وہ کون سی وجوہ ہیں کہ جن

کی بناء پر جلال الدین صاحب کو یا طفیل صاحب کو آپ سے اجازت
لینی ضروری تھی"۔

طفیل صاحب نے قطعی خاموشی اختیار کر لی ہے مگر میں ایک وجہ سے پریشان ہوں' وقار عظیم صاحب ۱۷ مارچ کو یہاں تشریف لائے تھے تو انہوں نے دورانِ گفتگو میں مجھ سے دریافت فرمایا تھا کہ "کیا آپ طفیل صاحب کے ہمراہ حکیم صاحب کے ہاں گئے تھے؟" میں نے عرض کیا: "جی ہاں ایک بار گیا ہوں"۔ اکبر علی خاں نے لکھا ہے کہ "طفیل صاحب نے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ انہوں نے عکس ملتان کے کسی صاحب سے خریدے تھے خود طفیل صاحب نے مجھے یہی لکھا تھا کہ انہوں نے آٹھ ہزار قیمت دے کر خریدے ہیں"۔ اب یہ سراسر زیادتی ہے' وقار صاحب ہی کو سب سے زیادہ حکیم صاحب نے استعمال کیا کہ وہ اخلاقی دباؤ ڈالیں اور بقول وقار صاحب طفیل صاحب نے نہایت معقول جواب دے کر حکیم صاحب کو لاجواب کر دیا کہ صاحب مقدمہ کا فیصلہ تو ہو جائے۔ اگر اکبر علی خاں کے حق میں ہوا تو جو حکیم صاحب کہیں گے نذر کر دیا جائے گا اس پر حکیم صاحب راضی ہو گئے' لیکن ذرا غور کیجئے وقار صاحب نے میرے بارے میں کیا سوچا ہو گا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی لیکن طفیل صاحب کی اس گفتگو سے کہ جس میں خرید و فروخت کا ذکر ہے مجھ پر بڑا حرف آتا ہے۔ بھائی میں تو غریب آدمی ہوں میں اس کا اہل نہیں ہوں کہ مجھے درمیان میں گھسیٹ لیا جائے۔ میں نے طفیل صاحب کو اسی روز خط لکھا تھا مگر وہ تو چپ ہیں۔

[مکتوب ۱۷ مارچ ۱۹۷۰ء]

(۷۷) میں ۱۴ جولائی کو راولپنڈی گیا ایک روز کے لئے مری۔ واپسی میں چار یوم تک لاہور میں طفیل بھائی کے ہاں قیام کیا۔ طفیل صاحب کا حکم تھا کہ خواجہ محمد حسن صاحب سے "گلِ رعنا" میں خود حاصل کروں' دو روز ضائع کئے مگر خواجہ صاحب قابو نہ آئے۔ ان کا خیال ہے کہ غالب کی اس تحریر کی قیمت کم از کم پچیس ہزار روپے تو طے' اب وہ ان کے داماد

کے قبضے میں ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ برٹش میوزیم لندن یا امریکہ کی کسی نوادرات خرید نے والی فرم کے ہاتھ اِسے فروخت کریں گے ــــــ طفیل صاحب کا خط آیا ہے کہ آپ کا لکھا ہوا کوئی کارڈ تلاش کروں جس سے یہ ثابت ہو کہ نسخۂ امروہہ سے متعلق آپ کا مضمون جو "تلاشِ غالب" میں چھپا ہے اور جسے بعد میں طفیل صاحب نے نقوش غالب نمبر ۲ میں شامل کیا ہے۔ اپریل ۶۸ء (کذا) میں لکھا گیا" آپ کا یہ مضمون اپریل کے اواخر میں ولید میر کے پاس لاہور پہنچا تھا۔ خطوط تو آپ نے اس زمانے میں مجھے کئی لکھے لیکن خدا کرے کوئی کارڈ مل جائے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ڈاکٹر گیان چند کا ایک مضمون "نقوش" غالب نمبر ۳ میں شائع ہوگا۔ دوسرے مباحث کے علاوہ وہ یہ ثابت کررہے ہیں کہ تصریحات اکبر علی خاں نے پہلے لکھی ہیں اور آپ نے وہاں سے نقل کی ہیں جو بعد میں "نقوش" غالب نمبر ۲ میں شامل کی گئیں' حالانکہ ڈاکٹر گیان چند کا یہ خیال قطعی غلط ہے' ڈاکٹر وحید قریشی نے مضمون لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ آپ کا مضمون اور "نقوش" پہلے چھپے ہیں ــــــ زادہ کا نسخہ بعد میں۔ مالک رام صاحب کے دو خط طفیل صاحب کے نام ایسے ہیں جو اس بات کا بیّن ثبوت ہیں' وہ خطوط بھی اشاعت میں شامل ہوں گے۔ اب طفیل صاحب جو کارڈ مجھ سے تلاش کرا رہے ہیں وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے خدا کرے ایسا کارڈ مل جائے۔

"درماندہ محقق" نے "گلِ رعنا" کا وہ نسخہ ایڈٹ کیا ہے جو مشفق خواجہ کو وصی احمد بلگرامی نے دیا' طویل مقدمہ میں وہی پرانی رٹ کہ نو دریافت کلام کا فلاں حصہ میں نے دریافت کیا ہے وغیرہ۔ افسوس صرف اتنا ہے کہ مشفق خواجہ صاحب کو اور کوئی شخص نہ ملا جو ایڈٹ کرتا" ــــــ توفیق صاحب کے مقدمہ کا کیا بنا؟ اکبر علی خان صاحب نے جس طرح مخطوطہ غائب کردیا ہے کیا توفیق نے اُسے خاموشی سے گوارا کرلیا؟ سوکی جگہ ہزار نسخے چھاپے تھے' اس کا ثبوت پریس سے مل سکتا تھا کیا اس پر بھی وہ خاموش ہے؟ ــــــ

[مکتوب ۱۹/ جولائی ۱۹۷۱ء]

آخر میں مجھے محترم جناب لطیف الزماں خاں صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ ان کی تحریک سے "دیوانِ غالب بخطِ غالب نسخۂ امروہہ" کی وہ داستان جو "نقش ونگار طاقِ نسیاں" بن چکی تھی پھر مرتب ہو کر سامنے آگئی میں تو مدت سے دوسرے کوچوں میں بھٹک رہا تھا اگر لطیف صاحب آمادہ نہ کرتے تو شاید یہ افسانہ نانوشتہ ہی رہ جاتا۔ لطیف صاحب کا اس لئے بھی ممنون ہوں کہ ان کی اپنی ہی تحریروں سے بہت سی باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو گئیں اور جو الزام انہوں نے میری کردار کشی کے لئے تراشے تھے وہ خود ان کے ہی بیانات سے غلط ثابت ہو گئے۔ پھر بھی چند نکتے رہ گئے اگر چہ اب ازروئے منطق ان کی صحت وصداقت کا بھی کوئی اعتبار نہیں رہا' پھر بھی مختصراً عرض کر دوں:۔

(۱) لطیف الزماں صاحب کا محمد طفیل مرحوم سے تعارف میں نے کرایا تھا اور یہ پہلی بار ان سے ۲۶/اکتوبر ۱۹۶۷ء کو ملے تھے۔ تعلقات میں کسی قدر استواری بہت بعد میں پیدا ہوئی۔ محمد طفیل مرحوم اُن کے رویے سے ناخوش بھی رہے اور مجھ سے دبے الفاظ میں کئی بار شکایت بھی کی' میں دیوانِ غالب چھپ جانے کے بعد اس سارے قضیے کو قطعاً بھول چکا تھا۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں کام ہیں' ہزاروں غم ہیں ایک بیاض کے پیچھے خواہ وہ غالب ہی کی کیوں نہ ہو' ساری زندگی تو نہیں بتائی جا سکتی' وہ مجھ سے بعض تفصیلات پوچھا کرتے تھے تو بھی مجھے یاد نہ آتا تھا کہ کیا ہوا کیونکر ہوا؟ اب لطیف صاحب نے ٹھوکے دے کر حافظے کو پیدا کیا اور سارا سرو سامان بھی خود ہی فراہم کر دیا۔

(۲) لطیف صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کے اور بیگم طفیل کے سامنے محمد طفیل مرحوم نے مجھے پانچ ہزار روپے بطور معاوضہ چھ ہزار روپے برائے توفیق احمد اور آٹھ ہزار روپے برائے مالک رام صاحب (کل انیس ہزار روپے) دیئے تھے' ایسا جھوٹ ہے جو وہی شخص بول سکتا ہے جو خدا کے وجود اور آخرت کے حساب کتاب کو ایک ڈھکوسلہ سمجھتا ہو' انہوں نے اپنے عالم خیال میں ایک محفل سجائی اور اس میں بھابی صاحبہ کو بھی شریک کر لیا' مادی دنیا میں

اور خارجی وجود میں تو کبھی طفیل صاحب نے اتنی بڑی رقم مجھے دی نہیں (اس وقت (۱۹۷۰ء) کے انیس ہزار روپے آج کل کے دولاکھ روپے کے برابر تھے۔ اگر یہ رقم میرے ہاتھ لگتی تو ایسی فقیرانہ شان سے کیوں رہتا جیسے اب زندہ ہوں) مالک رام صاحب کو اب بیس سال بعد اس پر یقین کرنے کے لئے آمادہ کر رہے ہیں۔ مگر انہوں نے کبھی مجھ سے یا کسی دوسرے شخص سے کنایۃً بھی اس امانت کے نہ ملنے کی شکایت نہیں کی۔ جب کہ یہ روپیہ دینے کے بعد محمد طفیل مرحوم ۱۵-۱۶ سال تک زندہ رہے اور ان کی زندگی میں میں نے تین بار لاہور کا سفر بھی کرلیا۔ ایسا جھوٹ بولنے سے کیا حاصل جو چلتا تو کجا رینگ بھی نہ سکے۔ لطیف صاحب کو شاید میرے اور محمد طفیل مرحوم کے تعلقات کی نوعیت بھی معلوم نہیں۔ میرے دل میں ان کی طرف سے اگر کوئی رنجش پیدا ہوئی تو صرف لطیف صاحب کی وجہ سے۔ اور میں ان سے یہی کہتا تھا کہ انہیں سمجھاتے کیوں نہیں؟

(۳) لطیف صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے "نقوش" کے تین سو نسخے سو روپے فی نسخہ کے حساب سے ہندوستان میں بیچ لئے جو ۹۰ ہزار کے ہوئے (یعنی آج کے ۷-۸ لاکھ روپے) اگر اکبر علی خاں صاحب اور لطیف صاحب کے تخمینوں کو باور کرلیا جائے تو مجھے کروڑ پتی ہونا چاہیے جس کی بھاری جائیداد ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں موجود ہو۔ میں لطیف صاحب کے تمام مصارف برداشت کرنے کو آمادہ ہوں وہ ہندوستان آئیں اور جس طرح چاہیں میرے احوال اور اموال کی تحقیق و تفتیش کرلیں۔ اگر میں ۱۹۷۰ء سے اب تک ہر زمانے میں مقروض پایا جاؤں تو جتنا قرض ہو وہ ادا کردیں اور جو وہ کہتے ہیں وہ دولت میرے پاس ثابت ہو جائے تو سب ان کی ملکیت ہوگی۔

(۴) لطیف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے "رسول نمبر" کے لئے محمد طفیل مرحوم سے دس ہزار روپے طلب کئے تھے اس سے وہ مرحوم اتنے آزردہ ہوئے کہ پھر مجھ سے بات بھی نہ کی۔ اگر بالفرض طلب بھی کئے ہوں تو اس میں عیب کیا ہے؟ آپ مہتر کو تھے

کو موچی کو قلی کو بھی مزدوری دیئے بغیر کام نہیں لے سکتے' ایک اہل قلم اگر اپنی محنت کا معاوضہ طلب کرلے تو یہ باعث ننگ و عار کیوں ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ میرے بیشتر مضامین نقوش میں چھپے ہیں اور میں نے کبھی مضمون کے معاوضے کے نام پر مرحوم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا' حساب دوستاں در دل والا معاملہ تھا۔ لطیف صاحب کو وہ عکس کا معاوضہ دس ہزار روپے پیش کر رہے تھے تو کیا یہ رقم اُن سے میں نہیں مانگ سکتا تھا؟ رسول نمبر میں میری تین کتابیں اور دو مضامین شامل ہیں۔

(۵) لطیف صاحب ایک طویل فہرس درج کر کے فرماتے ہیں کہ میں نے ان حضرات سے عکس فراہم کرنے کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں ایسا کم ظرف اور چھچھورا نہیں ہوں کہ جو بھی ملتا اُس سے لازماً اُس کا تذکرہ کرتا۔ یہ معاملہ میرے اور طفیل صاحب کے درمیان تھا دنیا کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

میرے لئے یہ بہت ہی ناگوار اور بوجھل کام تھا کہ لطیف صاحب کی مخالفت یا تردید میں قلم اٹھاؤں۔ مجھے سید انیس شاہ جیلانی نے مجبور کیا اور خود لطیف صاحب میری مدد کے لئے آگئے۔ اللہ دونوں حضرات کو جزائے خیر دے۔

آخر میں قارئین سے دو گزارشیں ہیں: میرے سامنے بہت سے ضروری کام ہیں جو ہنوز ادھورے پڑے ہیں اور رخش عمر اپنی رو میں ہے اس لئے آئندہ اگر لطیف صاحب کوئی اشتعال چھوڑیں تو مجھے جواب دینے کے لئے مکلّف نہ سمجھا جائے۔

دوسری التجا یہ ہے کہ آئندہ جو حضرات دیوان غالب کے اس قضیے پر قلم اٹھائیں وہ میرے کرم فرما لطیف الزماں صاحب کو کسی نامناسب لفظ سے یاد نہ کریں۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی
۸۳۷ بٹلا ہاؤس، جامعہ نگر Prof.N.A.Farooqi
پوسٹ بکس ۹۷۲۳ Post Box No 9723
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ New Delhi-110025

۲۰ جون ۱۹۹۰ء

[ایک نقل تو حضرت نے اپنے مضمون کی مجھے بھجوائی اور ایک دلی کے کسی پرچے میں چھپوادی، میں نے یہاں "طلوع افکار" کو اطلاع دی جواب ندارد۔ دہلوی پرچے سے مضمون "طلوع افکار" میں نقل ہوا، جس کا ابتدائی حصہ میں نے یہاں شامل کرلیا۔ انیس، ۱۰/ا نومبر ۱۹۹۷ء محمد آباد، تحصیل صادق آباد]

آپ کی مساعی رنگ لائیں اور آپ نثار احمد فاروقی صاحب سے جواب آں غزل لکھوانے میں کامیاب ہوگئے مرحبا بکم طلوع افکار اس مضمون کو اپنے آئندہ شمارے میں "کتاب نما" کے حوالے سے نقل کررہا ہے کہ نقل کفر___ آپ نے جو مضمون خاں صاحب کے خطوط سے مرتب فرمایا ہے۔ وہ ادارہ کے کاتب ست کام تاخیر رقم کے حوالے کیا جاچکا ہے___ تاخیر سے سہی لیکن ان شاء اللہ شائع ضرور ہوگا۔

[حسین انجم مدیر طلوع افکار کراچی بنام انیس ۱۹۹۰/۸/۲۶ء]

آپ نے "طلوع افکار" کی نقل بھیج کر میرے ۱۲-۱۵ دن خراب کردیئے میں نے کچھ لکھ کر آپ کو بھیجا تو آپ نے نفس موضوع کے بارے میں کچھ نہ لکھا، ادھر اُدھر کی باتیں کردیں، آپ کے دوست جو اردو کے دروغ گویوں کی تاریخ لکھنا چاہتے تھے خود کیا نظر آئے؟ آپ کو اپنی رائے تو ضرور دینا تھی وہ مضمون آپ صرف طلوع افکار کو بھیج سکتے ہیں اور کسی کو نہ بھیجیں۔ میں نے اب اس میں کچھ اور اضافے کردیئے ہیں اگر ابھی اشاعت

روک لیں تو اور بھی اچھا ہے۔ آپ نے دیوانِ غالب بخطِ غالب کے بارے میں پوچھا کہ اب وہ کہاں ہے؟ اصل نسخہ آج بھی اکبر علی خاں عرشی زادہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ دیکھئے کب ظاہر ہو۔ شفیق الحسن فضلی بھوپالی جنھوں نے نسخہ بیچا تھا بس کچھ یوں ہی سے آدمی ہیں میری اُن سے ملاقات نہیں ہے۔ نہ اُن کے بارے میں کچھ تحقیق کیا' نسخۂ عرشی زادہ (مطبوعہ) تو بس عرشی زادہ صاحب سے ہی مل سکتا ہے۔

[نثار احمد فاروقی بنام انیس' ۱۳/اگست ۱۹۹۰ء]

آپ دہلی آیئے' دس پندرہ دن میرے مہمان رہ کر میری نقل وحرکت کا معائنہ کیجئے' پھر شکایت کیجئے۔ اتنی سی بات آپ کے ملتانی دوست نے بھی سمجھ کر نہ دی اور آپ بھی اُن کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اب ۱۳/ستمبر کے مکتوب میں آپ نے یہ شکایت کی ہے کہ اپنا جواب مجھے چھپوا دینا تھا تو آپ کو نقل بھجوانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو نقل اس لئے بھیجی تھی کہ وہ آپ کی فرمائش اور تحریک سے لکھا گیا ورنہ میں اسے نہ تلاش کرتا نہ پڑھتا' میں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ آپ اسے چھاپنے پر اپنا روپیہ خرچ کریں۔ اتنی زحمت دی تھی کہ مجھے طلوعِ افکار کا پتا معلوم نہیں ہے آپ وہ مضمون پڑھ کر انہیں بھیج دیں تاکہ 'قضیۂ زمین برسر زمین' طے ہو جائے۔ مارگزیدہ از ریسمان مترسد۔

[نثار احمد فاروقی بنام انیس' ۱۳/اکتوبر ۱۹۹۰ء]

[میرا ارادہ جواب مضمون کتابچے کی شکل میں چھپوا دینے کا اُس وقت بھی تھا'
انیس ۱۱/نومبر ۱۹۹۷ء محمد آباد]

مئی کا شمارہ جولائی میں وارد ہوا' اس میں ہمارے دو خط بھی تو ہیں۔ یہ محض محبتوں کی بات ہے ورنہ ہم نے ایسے کون سے فلسفے بگھار دیئے تھے' جون کا طلوعِ افکار بھی موصول کر چکا ہوں' جولائی کا انتظار ہے کیا عجب اس میں وہ پروفیسر لطیف الزماں کے لطائف میرے مرتب کردہ چھپ گئے ہوں۔ لطیف الزماں خاں کے جواب اور نثار احمد فاروقی کی

مدافعت میں بھی مواد موجود ہے، میں تو چاہتا ہوں کہ آپ کے ہاں چھپے لیکن رسالہ تو پورے اہتمام سے آئے گا۔ خط کی رسید کی رسم بھی توڑ ڈالئے۔ دل لگا ہوا ہے زیادہ حد ادب۔

[انیس بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی اکتوبر ۱۹۹۰ء]

محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے جو مضمون میرے بارے میں لکھا ہے وہ میں اب تک حاصل نہیں کر سکا۔ ایک عزیز سے صرف اطلاع ہی ملی۔ جب مضمون مل جائے گا پڑھ لوں گا۔ یوں تو مجھے اندازہ ہے کہ انہوں نے کیا لکھا ہوگا۔ میرا مضمون ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' روداد اشاعت چھپنے سے قبل کئی احباب نے پڑھا تھا۔ ایک صاحب نے کہا ''کوبرا کی دُم پر پاؤں رکھ دیا ہے تم نے''۔ دوسرے صاحب نے کہا ''گندگی میں اینٹ پھینکنے کا انجام جانتے ہو؟''

ان اور ایسی باتوں کے باوجود میں نے مضمون شائع کرایا اس کا ردِعمل شدید ہوا گا۔ آپ ان کا مضمون ضرور شائع کیجئے۔ اگر ادب کے حوالے سے یا غالب کے حوالے سے کوئی بات ہوئی تو میں جواب لکھوں گا اور اگر گالی گلوچ ہے تو خاموش رہوں گا۔

انیس شاہ جیلانی صاحب سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ ہاں خط آتے رہے ہیں جواب لکھتا رہا۔ ان میں ایک عجیب عادت ہے کہ وہ ہر بات کو گرہ دیتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو مہر صاحب کے خطوط جو ان کے نام ہیں پڑھ لیجئے۔ دیوانِ غالب ہی کے سلسلہ میں، میں انہیں لکھتا رہا اور زچ ہو گیا اور درخواست کی کہ میرے خطوط واپس کر دیں جواب آیا کہ پھاڑ دیئے اور اب وہ میرے خطوط سے مضمون ترتیب دے کر چھاپ رہے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہوں نے بے تکلف ہونے کی کوشش کی جسے میں برداشت نہیں کرتا۔ اُن کا کارڈ آتا رہتا ہے مگر میں جواب نہیں دیتا۔ آپ کا جی چاہے تو چھاپ دیجئے۔ میں ادیب نہیں، ادب کا طالب علم ہوں۔ میں نے ہمیشہ تحریر کے پیچھے شخص کو تلاش کیا ہے۔ اور خطوط میں کبھی کہیں ذکر آ گیا یا نجی گفتگو میں، تو میں اپنی رائے کا اظہار کئے بغیر کبھی نہیں رہا۔ میری

ایک رائے ہے اور مجھے اس کا حق حاصل ہے کہ میں ایک رائے قائم کروں اور اس کا اظہار بھی۔ انیس شاہ صاحب تو بڑے باکمال انسان ہیں انہیں ایک شوق ہے کہ وہ بڑے لوگوں سے اپنے نام خط لکھواتے رہے ہیں۔ مہر صاحب' نیاز فتح پوری صاحب' مولوی عبدالحق صاحب وغیرہ اور پھر انہیں شائع کرتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ وہ برصغیر کے کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتے ہوں گے۔

۱۹۴۶ء سے اب تک معلوم نہیں کتنے ادباء و شعراء سے ملا ہوں۔ کم لوگوں کو اچھا انسان پایا۔۔ ہمارے ادیبوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو اچھے انسان نہیں ہیں۔ ترقی پسند ناقدین نے کتنے ہی شعرا اور افسانہ نگاروں کو بانس پر چڑھایا۔ ساحر لدھیانوی ہوں یا قتیل شفائی ہیں تیسرے درجے کے شاعر مگر آپ دیکھئے ہمارے ناقدین نے انہیں کیا ثابت کیا۔ میں شروع کے گیارہ سال کراچی رہا ہوں اور ترقی پسند مصنفین کے پہلے جلسہ سے لے کر آخری جلسہ تک ہر ایک میں شریک ہوا ہوں۔ اگر اس زمانہ میں جن لوگوں سے ملتا تھا ان کے بارے میں لکھوں تو سوائے رُسوائی کے کیا ہاتھ آئے گا۔ ایک معمولی سا واقعہ سنئے۔ بندر روڈ پر جس فلیٹ میں ترقی پسند مصنفین کے اجلاس ہوا کرتے تھے اس فلیٹ کو عزیز اثری صاحب نے پگڑی پر اُٹھا دیا اور جو رقم ملی وہ لے کر لاہور چلے گئے۔ کسی نے اس بات کو نہیں لکھا۔ اب اگر آپ میرا یہ خط شائع کردیں تو ظاہر ہے اثری صاحب کو یہ سچ اس طرح کڑوا لگے گا جس طرح نثار احمد فاروقی صاحب کو یا ان ادیبوں کو لگے گا جن کے بارے میں چند فقرے بے تکلفی میں لکھ گیا ہوں۔

آپ کے علم میں ہے کہ غالب میرا پہلا اور آخری عشق ہے۔ کوئی کتاب یا مضمون شائع ہو تو خریدتا اور پڑھتا ہوں۔ انیس ناگی صاحب کی کتاب غالب پر آئی۔ پڑھی تو سخت بدمزہ ہوا۔ نہایت بے ہودہ کتاب۔ یاد ہیں کہیں کشور ناہید کے خط میں ذکر نکل آیا۔ میں نے وہی کچھ لکھا جو میری سمجھ میں آیا۔ کشور نے مجھ سے پوچھا یہ خط انیس ناگی کو

دکھادوں۔ میں نے جواب دیا کہ جب میں خط لکھ چکا تو وہ آپ کی ملکیت ہے جو جی چاہے سو کیجئے۔ تو صاحب بات یہ ہے کہ مجھے بالکل پرواہ نہیں کہ کوئی صاحب میرے خطوط کیوں چھاپتے ہیں۔ اب وہ ان کی ملکیت ہیں جو چاہیں سو کریں۔

''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' روداد اشاعت میں نے ''ارتقاء'' میں چھپنے کے لئے دیا تھا۔ دوستوں نے اسے رد کردیا۔ اور کیسے کیسے دوست محمد علی صدیقی، حسن عابد اور راحت سعید۔ میں نے بُرا نہیں مانا۔ صرف غالب کے خطوط کے تراجم تو شائع ہوئے اس کے بعد بشیر صاحب نے کئی بار خط لکھا میں نے ایک لفظ انہیں لکھ کر نہیں بھیجا۔

میں نے ایک کتاب کا ابتدائیہ لکھا ہے چھپ جائے تو دیکھ لیجئے گا میں نے ثابت کیا ہے کہ آل احمد سرور صاحب، محترم اسلوب احمد انصاری صاحب، ڈاکٹر معین الرحمٰن اور ڈاکٹر ابن فرید سب جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ وہ بت ہیں کہ ٹوٹیں گے تو ان بتوں کے پجاری چیخیں گے چلائیں گے کہ دیکھو یہ لکھ دیا وہ لکھ دیا۔ مگر میں سچ بولے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں اَدب کا طالب علم ہوں اپنی رائے شخص اور شاعر کے بارے میں دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

آپ سے ایک درخواست ہے کہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ضرور چھاپیں لیکن میں نے مالک مخطوطہ کا خط جو میرے نام ہے اور جس کا عکس میں نے انجم صاحب کو بھیجا ہے اسے ضرور شائع کردیجئے۔ اور اگر کوئی مصلحت ہے کہ وہ اسے نہیں چھاپنا چاہتے تو واپس کردیں میں اسے کہیں اور چھپوا دوں گا۔ تو فتح احمد کو وہ خط نثار احمد فاروقی اور اکبر علی خاں دونوں کے اصل چہرہ کو ظاہر کرنا تصویر کے دو رخ ہی کیوں تیسرا رخ کیوں سامنے نہ آئے۔ [لطیف الزماں خاں بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۹۰ء]

حضرت میں نے تو خبر کردی تھی کہ نثار صاحب نے بھی ایک نقل مجھے فراہم کردی ہے، آپ نے کوئی رسید ہی نہ دی تو میں کیا کرتا۔ یقین جانئے وہ جو لطیف الزماں خاں کے خطوط مرتب کرکے ارسال کئے تھے میں نے، وہ تو مجھے یاد ہی نہ رہے۔ اچھا ہے اگر وہ آپ

کے یہاں چھپ جائیں۔ چغتائی اور واحدی کے خطوط بھی بھجوا سکتا ہوں۔ ایک بہت ہی مزے کا خاکہ قیصر تمکین کا لکھا ہوا برطانیہ سے وصول کر کے طلوع افکار کی نذر کر رہا ہوں اسے من وعن قریب ترین اشاعت میں چھاپ ڈالئے رسید چوں کہ آپ کم کم دیا کرتے ہیں اس لیے پیش کردہ پوسٹ کارڈ حوالۂ ڈاک کرا دیجئے گا۔

[انیس بنام حسین انجم مطبوعہ ماہ نامہ طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۹۰ء]

مجھے احباب نے بتایا کہ آپ نے میرا مضمون "دیوانِ غالب بخطِ غالب" روداد اشاعت اپنے موقر ماہ نامہ "طلوع افکار" میں رسالہ "کتاب نما" دہلی سے نقل کیا ہے۔ خوشی ہوئی اور آپ کی شرافتِ نفس کا قائل ہوا۔ میں نے بدرجہ مجبوری اس کا جواب لکھا تھا اور آپ کا پتا معلوم نہیں تھا اس لئے یہاں "کتاب نما" کو دے دیا۔ آج ہی آپ کا ایڈریس دفتر "کتاب نما" سے حاصل کیا ہے۔

لطیف الزماں صاحب کے جن خطوط کے اقتباسات میں نے درج کئے ہیں ان میں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی تحریف، تصحیف، ترمیم یا تبدیلی نہیں کی ہے صرف وہ عبارتیں اخذ کر لی ہیں جو "دیوانِ غالب" سے متعلق ہیں اور ان سب خطوط کے فوٹو کراکر پاکستان میں ایک موقر ادارے کو بھیج دیے ہیں کہ جو صاحب تصدیق کے لئے خود دیکھنا چاہیں وہاں دیکھ لیں۔ اس ادارے کا پتا بھی سب کو وقت پر معلوم ہو جائے گا۔ اصل خطوط ہندوستان میں ایک بڑی قومی لائبریری میں محفوظ کرا دیے جائیں گے تاکہ آئندہ نسلیں گمراہ نہ ہوں۔

میں نے اپنے مضمون میں لطیف صاحب کے اصل املاء کو بھی باقی رکھا تھا مثلاً میعار (معیار) تعمل بدل (نعم البدل) معمور (مامور) مگر آپ کے مصحح نے تصحیح کر کے مزہ کرکرا کر دیا۔

اس مضمون کو پڑھ کر بہت سے لوگوں نے اپنے تاثرات لکھ بھیجے ہیں۔ یہاں صرف تین حضرات کی تحریروں سے کچھ اقتباسات آپ کی دلچسپی کے لئے پیش کرتا ہوں:

(۱) توفیق احمد قادری چشتی: نوادر فروش امروہہ (یہ وہی ہیں جنھوں نے دیوانِ غالب بخطِ غالب گیارہ روپے میں بھوپال کے شفیق احمد فصلی سے خریدا تھا۔ یہ آج بھی اس مخطوطے کے جائز مالک ہیں مگر مخطوطہ ان کے قبضے سے نکل چکا ہے):

____ آپ کا مسودہ بڑے غور سے مطالعہ کیا۔ خوب جواب دیا ہے۔ بہت سے انکشافات سامنے آگئے ہیں؛ مجھے ابھی تک معلوم نہیں تھے ____ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ تین بار پارلیمنٹ میں سوال کرائے۔ حضرت اس کا اثر تو میرے اوپر پڑا تھا سی آئی ڈی کے لوگ میرے پاس آتے تھے اور مجھ سے سوال جواب کرتے ہیں (کذا) اس وقت کا منظر جو ہوتا تھا وہ میں ہی جانتا تھا۔ اس مصیبت میں تو ہم دونوں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ حق کا ساتھ دیتا ہے۔ آپ اس مضمون میں میرا ذکر ضرور کریں۔ مالک مخطوطہ (بقول اکبر علی خاں) "ایک جاہل محض" کو مصیبت میں ڈالنا کتنا بڑا جرم ہے۔ مگر اس "جاہل محض" کی مدد میرے اللہ نے کی۔ میں اکیلا ہی اپنی سمجھ کے مطابق ان سے باتیں کرتا تھا۔ ایک جاہل محض کے لئے یہ کتنا مشکل کا وقت ہوگا۔

سب سے بڑی مصیبت میرے لئے تھی؛ آپ کے لئے نہیں۔ مخطوطہ کا الزام اکبر علی خاں نے میرے اوپر اسمگلنگ کا لگایا تھا جیسا کہ اس کے نوٹس سے عیاں ہے۔ آپ نے اس مضمون کو بہت کچھ تشنہ چھوڑ دیا ہے۔ اکبر علی خاں کے نوٹس کا مطالعہ اور کر لیتے تو اور مزہ آجاتا"۔

(۲) جناب مظہر امام: (دربھنگا) ____ آج مکتبہ سے اگست اور ستمبر کا کتاب نما لایا اور ایک ہی نشست میں آپ کے مضمون کی دونوں قسطیں پڑھ گیا۔ طبیعت بے حد خوش ہوئی۔ یہ ایک فرض کفایہ تھا جسے آپ نے ادا کیا۔ اس کی واقعی ضرورت تھی۔ لطیف الزماں کے مضمون سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ میں سمجھ نہیں سکا کہ آخر ان کے مضمون کا محرک کیا تھا۔ دوستی کی دہائی دینے کے بعد ایسی رکیک حرکت انہوں نے کیوں کی۔ مضمون

زیادہ تر لطیف صاحب کے خطوط پر مشتمل ہے لیکن آپ کی جتنی بھی تحریر ہے وہ بے حد خوب صورت ہے۔ مبارک باد"۔

(۳) ہودیال سنگھ مگل: موہال چنڈی گڑھ۔ آپ کا مضمون "دیوانِ غالب بخطِ غالب" (روداد اشاعت) "مطبوعہ ماہ نامہ 'کتاب نما' بابت شمارہ اگست ۱۹۹۰ء باصرہ نواز ہوا۔ مکرّر بلکہ سہ مکرّر پڑھا۔ ہر مرتبہ نیا لطف پایا۔ نفسِ مضمون اور پھر حسنِ بیان' سبحان اللہ' ایسے مضمون کے لئے ایسا ہی قلم مطلوب تھا۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہو گیا۔ خوب خبر لی ہے آپ نے "جناب فراڈ کی"۔ قبلہ یہ الفاظ میرے نہیں میرے ایک شناسا کے ہیں۔ اسے کہتے ہیں ڈھول کی پول کھولنا۔ واقعی جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ صیاد خود ہی اپنے گسترده دام میں پھنس کر صید ہو گیا۔ چاہ کن را چاہ درپیش۔ آپ نے اختتام مضمون پر فرمایا ہے: "میرے کرم فرما لطیف الزماں صاحب کو کسی نامناسب لفظ سے یاد نہ کریں۔ یہ مجھ پر کرم ہوگا"۔

قبلہ۔ قارئین پر یہ قدغن کیوں؟ کیا قارئین کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوتا دیکھ کر اپنے تاثرات کا اظہار کر سکیں۔ احقر کو تو آپ کی خواہش کا احترام ملحوظ ہے۔ لیکن کس کس کی زبان بندی کی جائے؟

ایک دوست نے مضمون پڑھ کر معاً کہا: "بھئی ہمیں تو یہ قسم کے دھرماتماپن کی بات پسند نہیں۔ فاروقی صاحب کیوں خاموش رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں"۔ مزید فرمایا: کثیف الزماں ـــــ یا الزّماں کی کثافت اور خبث / خباثت پر ریشمی پردہ کیوں ڈالا جائے؟ کسی کو قصر ادب میں کثافت پھیلانے کا حق کیوں دیا جائے؟ ایسے کردار کشی کے سنگین معاملے میں عفو و معذرت کا سوال کیوں کر پیدا ہوتا ہے۔ قبلہ ہم پنجابی ڈھگے' لکھنوی اور دہلوی (خیر اب تو دہلی کا مزاج پنجابیت کا حامل ہو چکا ہے) نفاست و لطافت کیا جانیں؟ ہم تو محض ایک ہی کلچر یعنی ایگری کلچر جانتے ہیں۔ البتہ حق کی پاسداری ہمارا ایمان ہے۔ ہم

غالب کے طرف دار نہیں؛ جب سخن گسترانہ بات آن پڑے تو منصور دار اور سقراط کی طرح سر بکف بھی ہیں۔

آپ کی دراسات نظر سے گزری تھی۔ اپنے محدود علمی مطالعہ کے باعث مستفید نہ ہو سکا۔ میر کی سوانح نام تھا شاید۔ ذکر میر سے البتہ لطف اندوز ہوا تھا؛ جس ماحول اور خطہ میں جہاں آج مقیم ہوں؛ علم ادب بالخصوص اُردو فارسی و عربی سے تو لوگ سراسر ناآشنا ہیں۔ پھر حافظ اپنا اندوختہ ضائع نہ کرے تو کیا کرے کس قدر حسرت ناک بات۔ قبلہ ــــــ گزارش ہے کہ اپنا تحقیقی، تنقیدی و علمی کام جاری رکھئے۔ آپ کے قلم گوہر بار سے ہمیں بے شمار توقعات ہیں۔ آپ کی تحریریں قومی اور بشری کا اثاثہ ہیں۔ آنے والی نسلیں فخر سے ان کا مطالعہ کریں گی اور سردھنیں گی۔ آپ ایسے سر پھرے دنیائے ادب کے شہزادے ہوتے ہیں

ـــ انھیں کے فیض سے بازارِ عقل روشن ہے
جو گاہ گاہ جنوں اختیار کرتے رہے

بقول کامو: It is the rebels in a society that make it dianamic (Camus)

نکتہ چیں تو قدم قدم پر موجود ہیں۔ صحت مند اور ہمدردانہ نکتہ چینی اور تنقید کو تو ہم آمنا و صدقنا کہتے ہیں لیکن لطافت و کثافت ایک ساتھ گوارا نہیں ـــ

عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں
آوازِ سگاں کم نکند رزقِ گدا را

دیکھئے علیم صباپوری کیا فرماتے ہیں بیچ اس معاملے کے:

ـــ معترض کے منہ سے ہے کتا بندھا ہوا
اس لئے سننا پڑے گا عف عف

کس مزاج کے معترض؟ ــــ اور ــــ ''بڑے باپ کا چھوٹا بیٹا' صرف پدرم سلطاں بُوَد'' یہ آخری جملہ بھی انہیں صاحب کا ارشاد ہے ــــ

اس خط میں بعض الفاظ نامناسب آ گئے ہیں' کچھ میں نے حذف بھی کر دیے ہیں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ ابھی "بادۂ شبانہ" کے کچھ سرمست ادھر اُدھر گوشوں میں پڑے ہوئے ہیں اور ؏

افسانۂ آں شب کہ بیا یار گزشت

آج بھی اُن کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ حالات کی بے رحمی سے یادوں کا یہ خزینہ کتنا جا رہا ہے مگر اُن کے عہدِ وفا کی استواری بدستور باقی ہے"۔

[نثار احمد فاروقی بنام حسین انجم 'مطبوعہ ماہنامہ' طلوعِ افکار 'کراچی' دسمبر ۱۹۹۰ء]

ایسا یاد آتا ہے کہ ۱۹/اپریل کو میں نے آپ کو خط لکھا تھا اور اسی کے ساتھ دیوان غالب بخطِ غالب کے مخطوطے کے مالک توفیق احمد صاحب کے خط کا عکس روانہ کیا۔ وہ آپ کو نہیں ملا۔ اب پھر اس کا عکس بھیج رہا ہوں۔ اسے آپ ضرور شائع کر دیجئے ورنہ مجھے آپ سے شکایت ہوگی۔

نثار احمد فاروقی صاحب نے خود تو کچھ لکھا نہیں' میرے خطوط سے اقتباسات شائع کئے ہیں۔ پہلے آپ شباب رودولوی صاحب کی بات سنئے:

"انہیں بہرحال کچھ تو لکھنا ہی تھا۔ اس موقع پر ان کی مولوی کی تعلیم کام آ گئی۔ جس طرح مولوی آیات قرآنی کو اپنے مقصد کے لئے اِدھر سے اُدھر جوڑ دیتا ہے اسی طرح انہوں نے آپ کے خطوط کو اِدھر سے اُدھر جوڑ دیا"۔

تو حضور والا آپ مجھے اور مولوی کو ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑا کئے دے رہے ہیں۔ آپ کے لئے مولوی بھی محترم اور میں بھی۔ نہیں بھائی میں محبت کا تاوان دے چکا آپ مولوی صاحب ہی کو محترم جانئے۔

قبلہ مولوی صاحب نے میرے اُٹھائے ہوئے سوالات کا جواب نہیں دیا۔

میرے ہی خطوط سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں نے غلط بیانی کی ہے۔ آپ دوسری قسط شائع کر لیجئے۔ میں اس کے بعد اس سلسلہ کا آخری مضمون لکھوں گا۔ آپ شائع فرمائیں گے؟ میں اس نسل کا پٹھان ہوں جو محبت کی خاطر ہر الزام اپنے سر لے لیتا ہے لیکن قرض ادا کئے بغیر مرتا نہیں اور قرض صرف روپے پیسے کا نہیں ہوتا تحریر کا بھی ہوتا ہے۔

[لطیف الزماں خاں بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی، دسمبر ۱۹۹۰ء]

محبی مظہر جمیل صاحب کا کرم نامہ پچھلے ہفتے آیا تھا اطلاع یہ کہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون جو انہوں نے ''دیوانِ غالب بخطِ غالب روداد اشاعت'' کے جواب میں طلوع افکار کے آئندہ شمارے میں شائع کر رہے ہیں۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مضمون ضرور شائع کریں لیکن توفیق احمد مالک مخطوطہ کے خط کا عکس بھی ضرور شائع کر دیں۔ یہ خط میرے نام ہے اس خط کو اگر شائع نہ کریں گے تو مجھے شکایت ہوگی۔ اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

[لطیف الزماں خاں بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جنوری ۱۹۹۱ء]

آپ کا ہر شمارہ نہ صرف یہ کہ پابندی سے شائع ہوتا ہے جو ایک نہایت ضروری چیز ہے بلکہ صوری اور معنوی حیثیت سے بھی جاذب نظر ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں لطیف الزماں خاں اور نثار احمد فاروقی صاحبان کی بحث کو بہت دلچسپی سے پڑھ رہا ہوں۔ کاش یہ دونوں حضرات اس امر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالتے کہ ''مخطوطہ''۱۹۶۹ء کا جعلی ہے۔ [محمد رضا کاظمی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی مارچ ۱۹۹۱ء]

''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' بڑی چونکا دینے والی تحریر ہے۔ نثار احمد فاروقی صاحب نے جو چونکا دینے والے اہم انکشافات کئے ہیں انہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے قلم کار ذاتی منفعت اور شہرت کا اخلاق کے لئے دامن کس ''ڈھٹائی سے تار تار کر کے اتنی پست سطح پر اُتر آتے ہیں کہ دیکھ کر حیرانی اور پشیمانی ہوتی ہے۔ بہر حال ابھی اس

مضمون کی پہلی قسط آئی ہے پورا مضمون شائع ہونے کے بعد شاید لطیف الزماں صاحب بھی اپنی صفائی میں کچھ وضاحت پیش کریں۔ یہ سلسلہ جاری رکھئے تاکہ اصل حقائق سامنے آسکیں۔ [سرور ابالوی بنام حسین انجم' مطبوعہ ماہنامہ' طلوع افکار' کراچی مارچ ۱۹۹۱ء]

اس عزیز (ابوالحسن جیلانی) نے مختصر گفتگو کی اور بات شروع کی تو معلوم ہوا کہ محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے جو کرم میرے حال پر کیا ہے وہ طلوع افکار میں پڑھتے رہے ہیں' انہیں صرف ایک بات ناگوار گزری ہے کہ میں نے یہ کیوں لکھا کہ مرحوم طفیل صاحب نے انہیں انیس ہزار روپے دیئے تھے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ بیگم طفیل بفضلہ زندہ ہیں فاروقی صاحب ان سے تردید کرادیں میں ان سے ہی نہیں ہزار دو داں سے معافی مانگ لوں گا۔ ایسے اور کئی واقعات ہیں جو مجبوراً کسی موقع پر لکھنے پڑیں گے۔ مجھے اس کا بڑا ملال ہے کہ مجھے ان کی غلط بیانی کی وجہ سے وہ مضمون لکھنا پڑا اور وہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے جو سو جھوٹ بول رہے ہیں بالآخر پردہ چاک ہوگا۔ وہ کرتب دکھا کر میری املا کی غلطیاں ضرور نکالیں لیکن میں ان کے کرتوت بھی سامنے لے آؤں گا۔ ایک تو وہ عالم پھر عربی کے عالم وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں مجھے اندازہ ہے۔

[لطیف الزماں خاں بنام انجم' ۲۶ مارچ ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں خاں اور نثار احمد فاروقی کے جھگڑوں کو طلوع افکار کے صفحات پر پیش کرنے سے خردمندی کو کس طرح توانائی ملتی ہے میں نہیں سمجھ سکا۔ اب لطیف صاحب ترقی پسندوں کی بے شمار کمزوریوں پر سے پردہ اٹھانے والے ہیں۔ میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ خاندان کے جھگڑے خاندان کے اندر ہی رکھے جاتے ہیں جو انہیں بر سر عام کرتا ہے وہ سرخرو نہیں ہوتا۔ [سید مرتضیٰ کریم بنام حسین انجم' مطبوعہ ماہنامہ' طلوع افکار' کراچی اپریل ۱۹۹۱ء]

میں نے اپنے مضمون ''دیوان غالب بخط غالب روداد اشاعت'' میں یہ لکھا تھا کہ محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے میری اور بیگم طفیل کی موجودگی میں انیس ہزار روپے کی

رقم وصول کی۔ پانچ ہزار فاروقی صاحب کے لئے' چھ ہزار توفیق احمد کے لئے اور آٹھ ہزار جناب مالک رام صاحب کے لئے تھے۔ فاروقی صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس کی تردید بیگم طفیل سے کروادیں کہ ان کی اور میری موجودگی میں انہوں نے انیس ہزار روپے نہیں لئے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے بیٹے جاوید طفیل سے کہیں کہ وہ نقوش میں جس کے ایڈیٹر جاوید طفیل ہیں اپنی والدہ کی تردید شائع کردیں۔ برصغیر ہی نہیں پوری دنیا میں اُردو بولنے' لکھنے اور پڑھنے والوں سے دست بستہ معافی مانگ لوں گا بالخصوص فاروقی صاحب کے مدّاحین سے۔

یکم جنوری ۱۹۹۱ء کو جب میں نے بیگم طفیل کو بتلایا کہ فاروقی صاحب انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے طفیل صاحب سے انیس ہزار روپے نہیں لئے' تو وہ کہنے لگیں:

''جھوٹ بولتا ہے فاروقی۔ جس دن روپے دیے تھے اس سے دو دن پہلے طفیل صاحب نے بیس ہزار روپے لا کر دیئے تھے اور کہا تھا کہ ان میں سے انیس ہزار نثار احمد فاروقی کو دینے ہیں۔ جو رقم آپ کی اور میری موجودگی میں دی تھی اب وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ میرے مرحوم شوہر کو آپ کو اور مجھے جھوٹا کہتا ہے۔ شرم نہیں آتی اسے۔ طفیل صاحب نے اس کی اس وقت پرورش کی جب وہ پڑھتا تھا۔ آج جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو وہ انہیں جھوٹا کہتا ہے۔ وہ خود جھوٹا ہے۔ میرا انصاف خدا کے ہاں ہوگا۔ میں نے تو جاوید سے کہہ دیا ہے کہ یہ شخص مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا اس سے کہہ دو یہاں نہ آیا کرے''۔

جب بیگم طفیل مندرجہ بالا باتیں کہہ رہی تھیں ان کی تین پوتیاں بڑے غور سے تمام باتیں سُن رہی تھیں۔ تردید کروائیں فاروقی صاحب۔

توفیق احمد چشتی قادری (امروہہ)

(توفیق احمد قادری چشتی امروہوی کے درج ذیل مکتوب کا عکس ہمیں لطیف الزماں خاں صاحب نے عنایت فرمایا ہے جو ہم انہی کی ایما پر شائع کر رہے ہیں)

آج مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو مجھے ہندوستان دہلی سے نکلنے والا رسالہ اردو ''شان ہند'' شمارہ ستمبر ۱۹۸۹ء پڑھنے کو ملا جس کے چیف ایڈیٹر رویا پرکاش صاحب ہیں۔ انہوں نے ''طلوع افکار'' کراچی شمارہ مارچ اپریل ۱۹۸۹ء سے آپ کا مضمون بعنوان ''دیوان غالب بخط غالب'' چھاپ دیا اور ساتھ ہی ساتھ ایڈیٹر موصوف نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ اکبر علی خاں اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب فرار اختیار کئے ہوئے ہیں۔ گویا کہ ان کے منہ پر مکمل مہر سکوت لگی ہوئی ہے۔ آپ نے ان دونا نجار ادیبوں کو برسر عام دنیائے اُردو کے روبرو بالکل برہنہ کر دیا ہے۔ آگے کے لئے آپ کا قلم غدا خیر کرے۔ ان دونوں ادیبوں کے جسم پر اب کپڑے نہیں جو اپنے جسم کو ڈھک لیں۔ نثار احمد فاروقی صاحب سے مجھے ابھی تک محمد طفیل صاحب مرحوم کی طرف سے چھ ہزار روپیہ دی ہوئی رقم میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملی ہے۔ اکبر علی خاں نے میرے ''دیوان غالب بخط غالب'' کو ''عرشی زادہ'' کے نام سے چھاپ دیا۔ مجھے اس نام سے اسی وقت سے نفرت ہے اور اہل ادب کو بھی۔ اکبر علی خاں نے اس کی ۱۰۲۵ کاپیاں طبع کرائیں اور اس کی قیمت اولاً انہوں نے ۱۔ ۵۷ روپے رکھی اس کے بعد اس نے اس کی کل ۱۰۰ کاپیاں پبلک کو دکھائیں اور قیمت فی نسخہ ۱۔۳۰۰ روپے رکھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۰۲۵ کاپیاں فی نسخہ ۱۔۳۰۰ روپے کے حساب سے فروخت ہوا اس نے ان طبع شدہ حساب میں سے بھی ایک کوڑی مجھے ادا نہیں کی۔ اور آج تک اس نے مجھے ''دیوان غالب بخط غالب'' کا اصل نسخہ واپس کیا۔ میں

دیوانِ غالب بخطِ غالب سے متعلق اہم ترین کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں ارسالِ خدمت کر رہا ہوں تاکہ محقق کے سامنے تمام چیزیں رہیں اور کسی اچھے نتیجہ پر پہنچ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردے یہی اچھے محقق کے معنی ہیں!

آپ نے اپنے مضمون میں یہ دل آویز جملے میری طرف منسوب کر دیئے ہیں کہ اکبر علی خاں نے میرے جوتے مارے' بالکل غلط ہیں۔ مجھے ایسے جملوں سے صدمہ ہوا ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ اکبر علی خاں نے مجھ سے رسید لکھوائی تھی اس کے بعد میں ان کے گھر اپنا دیوان لینے گیا اس وقت انہوں نے مجھے کچھ رذیل حقارت آمیز جملے میرے لئے اور میری برادری واحباب کے لئے استعمال کئے۔ البتہ جوتوں کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد اس کمینے حرام زادہ نے مجھے ایک بے ہودہ نوٹس دے دیا۔ میں شہر امروہہ کے سیاسی اور سماجی بزرگوں کو لے کر گیا ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں۔ شرافت علی امروہوی ایم اے ایل ایل بی مارکسوادی کمیونسٹ پارٹی جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ دوسرے بزرگ سید محمد میاں رضوی مرحوم امروہوی سابق چیئرمین میونسپل امروہہ۔ تیسرے بزرگ حاجی فخر الاسلام شوز مرچنٹ امروہہ۔ کیا ان کے سامنے اس کی یہ جرأت اور ہمت ہو سکتی تھی جو میرے جوتے مارتا' ایک ہنگامہ ہو جاتا جو اس سے برداشت بھی نہ ہوتا۔

ہندو پاک کے ابوجہلی ذہنیت رکھنے والے نام نہاد شرفا ہندوستان کی بسنے والی پیشہ ور اقوام کو کمین جیسے دل آزار جملے استعمال کر کے اپنی عافیت خراب کرتے ہیں۔ قوم شرفاء میں سے جب کوئی شخص بگڑتا ہے تو درجہ کمین کی حدود پار کر کے درجہ ابلیس تک سے آگے چلا جاتا اس وقت شیطان بھی اس سے پناہ مانگنے لگتا۔ یہی حال نثار احمد فاروقی اور اکبر علی خاں صاحب کا ہے۔ یہ دونوں ادیب نام نہاد شرفاء کے ہی فرزندار جمند ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ فلک کا تھوکا حلق میں ان کے خود آرہا ہے۔ رسولِ عربی نے کہا تھا کہ مسلمان کی شرافت اس کے تقوے پر ہے نہ کہ نسب پرستی کے بتوں پر۔ اکبر علی خاں نے رضا لائبریری

کے اہم ترین مخطوطات اور وہاں کی ایرانی مغل پینٹنگ بھی اسمگلنگ کردی ہے عرشی کے زمانہ میں ـــــ پینٹنگ تھیں اب ۳۰۰ بھی نہیں ہیں لاکھوں کروڑوں روپیہ اس نے کمایا ہے لوگوں کا اندازہ ہے اس کے پاس بے شمار دولت ناجائز ہے۔ میں آپ کی خدمت میں دو اشتہار بھی ارسال کر رہا ہوں یہ دونوں اشتہار رام پور کے دیواروں پر چسپاں ہو چکے ہیں اور وہاں کے اخبارات اکبر علی کو بتلاؤ کہ تو نے رام پور کی عزت برباد کردی ہے مگر بڑے بے عزت بے حس انسان ہیں۔ اگر کوئی نئی تحقیق آپ منظر عام پر لائیں گے مجھے ضرور ضرور ارسال فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

فقط توفیق احمد قادری چشتی امروہوی

۳/۱/۹۰

ابھی ابھی میں لاہور آیا یعنی مورخہ ۱۳/مارچ ۹۰ کو داخل لاہور ہوا۔ یہ خط آپ کو لاہور سے پوسٹ کر رہا ہوں۔

[لطیف الزماں خاں بنام حسین انجم ماہ نامہ طلوع افکار کراچی اپریل ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں بقلم خود

اِکا دُکا تو ہمیں بھی اب لوگ جان گئے ہیں 'لطیف صاحب تو خاصے معروف ہو چکے۔ جاننے اور پہچاننے میں ایک فرق ہے تو میں پروفیسر صاحب کو جاننے ہی کی حد تک ہوں۔ ملتان شریف بائیس خواجہ کی چوکھٹ ممکن ہے نہ ہو لیکن رکن عالمؒ بہاؤالدین زکریاؒ شمس تبریزؒ تو بہت مشہور ہیں بلکہ وہاں سوالاکھ بزرگان دین کے مزارات کے قصے عام ہیں۔ رحیم یار خان سے لطیف الزماں خاں کا تبادلہ گورنمنٹ کالج ملتان کا ہوا تو وہ ہیں کے ہو کے رہ گئے۔ مستقل ٹھکانہ بھی ملتان شریف ہے اور کوسا بھی ملتان ہی کو جاتا ہے۔ ''نامعقول بستی'' لطیف الزماں خاں کا تجویز کردہ ملتان کا نیا نام ہے۔ اور یہ آپ کے ''طلوع افکار''

میں چھپ کر عام ہو چکا ہے۔

میرے گاؤں (پیر داگوٹھ) سے رحیم یار خاں کا فاصلہ تیس میل ہی ہے۔ آنا جانا لگا ہی رہتا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے ہم سے ان سے ملاقات نہ ہوسکی اور وہ اب تک نہیں ہوئی۔ ہم دونوں ہر بلا سے محفوظ چلے جاتے ہیں۔ مراسلت کا ڈول (گمان غالب یہی ہے) میں نے ڈالا ہوگا۔ قدر مشترک لکھنے پڑھنے کے سوا اور کیا ممکن ہے۔ غالبؔ سے محبتوں میں وہ مجھ سے کہیں بہتوں سے آگے ہیں۔ پڑھاتے وہ انگریزی ہیں۔ ربط ضبط اردو نے سے ہے اور اب تو لکھنے بھی لگے ہیں۔ پروفیسر کے بہت سے خطوط ضائع ہو گئے۔ میں نے ضائع کردیے یہ جو تیس خطوں سے اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں ان میں ذکر چونکہ بہت کچھ معروف لوگوں کا تھا اس لئے محفوظ رہ گئے۔ آگے چل کر لطیف الزماں خاں کوئی توپ چیز بن جائیں گے۔ یہ جانتا اگر تو ایک ایک پرزہ بجنسہٖ سینت سینت کر رکھتا۔ خاں صاحب نازک مزاج بھی ہیں۔ میں تو کبھی کبھار لکھتا رہتا ہوں' وہاں سے رسید نہیں آتی۔ اس لئے میرے ذخیرۂ نوادار میں اضافے کی کیا امید ہوسکتی ہے۔ لہٰذا جو کچھ ہے حاضر ہے اسے غنیمت جانئے ___ [انیس محمد آباد تحصیل صادق آباد]

ذال معجمہ پر قاضی عبدالودود صاحب کے علاوہ اور حضرات نے بھی لکھا ہے لیکن افسوس کہ باوجود تلاش کے اس وقت کوئی دستیاب نہیں ہوسکا۔ دوسرے یہ کہ میں چاہتا تھا کہ ان مضامین کو پڑھ کر باقاعدہ ان پیراگراف کے حوالے آپ کو دے سکوں جہاں مطابقت پائی جاتی ہے لیکن مضامین نہیں ملے۔

نقوش (اکتوبر' دسمبر ۱۹۶۶ء) میں قاضی عبدالودود صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا: ا۔ حافظ اور ذال فارسی (صفحہ ۵۱۹) اور دوسرا مضمون تھا۔ غالب اور ذال فارسی۔ یہ دوسرا مضمون ''آج کل'' (دہلی) میں شائع ہوا تھا۔ اب یاد نہیں آتا کہ شمارہ کون سا ہے اور کس سال کا۔ قاضی صاحب ہی صحیح بتلا سکتے ہیں۔

گنجینۂ غالب کے نام سے حکومت ہند نے آج کل کا انتخاب گزشتہ فروری میں شائع کیا تھا اس میں بھی قاضی صاحب کا مضمون غالب اور ذال فارسی موجود ہے۔ مگر یہ حاصل کہاں سے ہو؟

عابد علی عابد صاحب نے کلیات فارسی (مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور) کا دیباچہ بہت زوردار لکھا ہے اس میں بھی ذال فارسی پر تھوڑی سی بحث ہے۔

یہ سب چیزیں اور قدرت صاحب کا مضمون آپ ملاحظہ فرمائیں تو بات بنے گی۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ایسا معرکتہ آلآرا مضمون تو سو سال میں لکھا ہی نہیں گیا اور غالب پر صد سالہ جشن کے سلسلے میں جتنے رسائل نے نمبر چھاپے ہیں وہ سب مضامین ایک طرف اور قدرت صاحب کا مضمون ایک طرف۔ مگر پلڑا قدرت صاحب ہی کا بھاری ہے۔ اسے دو مدح خود کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا۔ پریشانی یہ ہے کہ میں نہ تو مضمون نگار ہوں نہ محقق، میں تو صرف طالب علم ہوں۔ اگر تحقیق میرا میدان ہوتا تو میں کوشش کرتا لیکن اب تو آپ جیسے حضرات ہی کو سنبھالنا پڑے گا۔

قدرت صاحب مولانا مہرؔ عرشی صاحب اور مالک رام صاحب کے لیے کیا رائے رکھتے ہیں' یہ بات ملتان کا ہر وہ شخص جانتا ہے جسے ادب سے ذرا بھی لگاؤ ہے۔ میں ان کے الفاظ تو دُہرا نہیں سکتا۔ مفہوم یہ ہے کہ غالب کو جس طرح قدرت صاحب نے سمجھا آج تک کسی اور نے نہیں سمجھا' رہے مہرؔ عرشی اور رام تو یہ ابھی طفل مکتب ہیں انہیں کیا معلوم کہ غالب کیا کہتا ہے۔ قدرت صاحب کے بقول غالب کو سمجھنے کے لیے دو باتیں شرط اول ہیں کہ پڑھنے والا شیعہ ہو اور قدرت صاحب کا سا ذہن رکھتا ہو۔ ممکن ہے وہ شرط اول کی قید بھی ہٹا دیں مگر ذہن بالکل قدرت صاحب کا ہو تو غالب سمجھ میں آسکتا ہے۔[1]

ا۔ آپ کا مضمون میں نے بہت دلچسپی سے پڑھا شاید غالب نے اپنی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کی یہ بات درست ہے کہ قتیل پر اور اس عہد کے اور لوگوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر وہی بات کہ مشقت کون کرے۔ آپ نے یہ خوب لکھا: "نیا عنوان کوئی سوجھتا ہی نہیں سید قدرت نقوی نے غالب کے مستعمل انگریزی الفاظ چھانٹ کر بھی دروازے بند کر دیئے" مگر یہ امر شاید آپ کے لیے باعث دلچسپی ہو کہ قدرت صاحب جن کا پورا نام سید شجاعت علی عرف قدرت نقوی میرٹھی ثم ملتانی صرف منشی فاضل پاس ہیں۔ انہیں انگریزی سے کیا واسطہ۔ خیر۔

آپ نے تو عنوان ڈھونڈ ہی نکالا اور عنوان بھی وہ جو کوئی اور شخص لکھتے ہوئے ڈرتا۔ مثلاً مہر صاحب آپ سے بلاوجہ تو خفا نہ ہوئے ہوں گے۔ وہ عمر کے اس حصے میں جہاں انسان اللہ اللہ زیادہ کرتا ہے۔ آپ نے کمال کیا کہ تمام "گالیوں" اور اسی قبیل کے الفاظ کو جمع کر دیا اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ غالب انسان تھا۔ یہ جو یار لوگ اقبال کو علیہ الرحمۃ بنائے پھرتے ہیں اور فرشتہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ اقبال کے دوست نہیں دشمن ہیں۔ غالب اگر گالی بکتا تھا تو اس لیے کہ انسان ہی یہ کام کر سکتا ہے من جملہ اور

گزشتہ سے پیوستہ حاشیہ

ذات کو بھی رقیب جان لیا تھا۔ تب ہی تو انہوں نے اپنے آپ کو بھی نہیں بخشا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ آپ نے عنوان کا جو انتخاب کیا ہے وہ معنویت کے لحاظ سے منفرد ہے' مضمون کے شروع میں بعض حصوں سے مجھے اختلاف ہے۔ مثلاً میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ غالب جیسا وسیع القلب انسان جو کسی کو بھوکا نہ دیکھ سکتا تھا محض مطلب برآری کے لیے شمس الدین خاں کی چغلی کھاتا معاملہ جائیداد کا تھا لوگوں نے انگریز کے قتل کے بعد افسانے گھڑ لیے۔ فرشتوں کے لکھے پر غالب کو الزام دیا جاتا ہے کوئی ثبوت تحریری نہیں ہے۔ انگریزوں کی بھٹئی غالب کیا کرتا' وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جب قتیل کے شاگرد فارسی نہیں جانتے تو تاجر انگریز فارسی کیا جانے گا۔ مقصد تو صرف یہ تھا کہ دربار میں جگہ ملے کیونکہ اس زمانے میں دربار میں جگہ ملنا ہی باعث عزت تھا۔

باتوں کے۔ مجھے ایک قصہ یاد آیا۔ ایک صاحب طویل مدت تک لندن میں رہے۔ ان کا رنگ انگریزوں کا سا تھا۔ لباس وضع قطع انگریزوں کی سی۔ زبان بھی وہی لہجہ بھی وہی۔ مگر ایک اصل انگریز کو ہمیشہ شبہ رہا کہ یہ انگریز نہیں ہے۔ ایک روز وہ صاحب جا رہے تھے۔ انگریز نے ٹنگوی ماری یہ دھڑام سے گر پڑے اور گرتے ہی ایک ڈھائی من کی گالی مادری زبان میں دے ڈالی۔ انگریز بولا: "ویل تم ہندوستانی ہے"۔ تو صاحب بات یہ ہے کہ غالب "خالص" ہندوستانی نہ سہی پھر بھی ہندوستانی تھا۔ گالیاں کیوں نہ بکتا۔ جلیل صاحب قدوائی کا یہ خیال غلط ہے کہ مکاتیب غالب نے بعد از نظر ثانی اشاعت کے لیے دیے ہوں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو آج آپ کا مضمون وہ نہ ہوتا جو وہ ہے۔ گالی انسان شعوری طور پر نہیں بکتا وہ تو بے ساختہ نکل جاتی ہے اگر خطوط کو نظر ثانی کے بعد اشاعت کے لیے دیا جاتا تو یقین کیجئے یہ بے ساختگی ہرگز نہ ہوتی جو غالب کے خطوط کی جان ہے۔

اردو خطوط کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر لوگوں نے تصنع برتا ہے۔ مثلاً اقبال ایک Conscious Artist تھا۔ اسے اپنی عظمت کا احساس تھا۔ چنانچہ ہر لفظ تراش خراش کر لکھتا۔ غالب کو بھی اپنی عظمت کا احساس تھا مگر اقبال اور غالب کے احساس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ غالب کو ذہنی سے عشق تھا تو چھپایا نہیں، اقبال اگر عطیہ کو چاہتے تھے تو چھپاتے تھے شبلی کا بھی یہی حال تھا۔ غالب جسے جو کچھ کہنا چاہتا کہہ گزرتا' لکھ ڈالتا مگر یہ بات کسی اور کو نصیب نہیں ہوسکی۔

میں تو ایمان داری سے کہوں گا کہ آپ غالب کے پڑھنے والوں پر احسان کیا جو یہ مضمون لکھا اس لیے کہ غالب کو انسان رہنا چاہیے میں نہیں چاہتا کہ لوگ اسے فرشتہ کہیں۔

العلم آج تک نہیں پہنچا۔ میں نے آپ کے مضمون کے سلسلے میں دلّی دو ایک دوستوں کو لکھا اور وعدہ کرلیا کہ العلم بھیجوں گا۔ آپ نے لکھا ہوگا مگر العلم کے لوگ اپنے ستم ظریف ہیں کہ ایک جانب تو یہ رونا روتے ہیں کہ صاحب ہمیں پرچہ مفت بانٹنا پڑتا ہے کوئی

پیسہ نہیں دیتا۔ ادھر ہم بے وقوف ہیں کہ وی پی منگواتے ہیں اور وہ نہیں بھیجتے۔ ان سے کہئے کہ دو نہ سہی ایک ہی بھیج دیں۔

فاران کا غالب نمبر بھی نہیں ملا۔

العلم کے آخر میں بہت سے نمبروں کا اشتہار ہے اور بیشتر رسائل اسی ملک کے ہیں مگر انہیں حاصل کرنا مشکل' جوئے شیر لانا آسان۔ اس میں لطف یہ ہے کہ میں قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں اور پرچے نہیں ملتے۔ کیا کراچی میں کوئی صاحب ایسے نہیں ہیں جو آپ کے حکم کی تعمیل کریں اور میری مدد۔ یعنی کہ غالب پر جو کچھ چھپا ہے خرید کر وی پی کر دیں۔

حیرت شملوی اور مولوی عبدالحق صاحب پر کتنا کام ہو چکا ہے۔

خط طویل ہو گیا۔ اب اسے ختم کرتا ہوں میں منتظر رہوں گا کہ آپ نے ذال مجمہ پر لکھا۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری صاحب کی کتاب غالب' فکر و فن میں بھی ایک باب موجود ہے اسے بھی دیکھ لیجئے گا۔ ۱۹۶۹/۸/۵ء

آپ کو مجیفہ مل گیا یہ بہت اچھا ہوا۔ قدرت صاحب کا مضمون پڑھ کر آپ گھبرا کیوں گئے؟ ملتان میں جو ادبی حلقہ ہے ان حضرات کے دل سے پوچھئے کہ انہیں زبردستی ایسے ایسے نہ جانے کتنے طویل اور بے معنی مضامین وہ سناتے ہیں اور لوگ سن کر زندہ بھی رہتے ہیں۔

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ اس موضوع پر دوسرے مضامین مطالعہ فرمالیں گے تو پھر بحث آپ کے بس کا روگ کیوں نہیں؟ آپ جب موضوع کو سمجھنے کی قوت رکھتے ہیں تو اس پر لکھنا اور بھی آسان ہے۔ یہ کام تو نہایت ڈھنگ سے کرنا ہی پڑے گا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کی مضمون نگاری کا مرکزی خیال ان کا نہیں بلکہ قاضی عبدالودود صاحب کا ہے۔ اور یہی بات ثابت کرنی ہے۔

مبارک ہو اب تو سنا ہے ترقی اردو بورڈ انہیں جوش صاحب کی جگہ لے رہا ہے۔

وہ ان دنوں یہاں شرائط ملازمت طے کرکے آئے ہوئے ہیں۔[1]

دو کام بہت مشکل ہیں۔ پڑھ کر سمجھ لینا (پڑھ تو ہر شخص سکتا ہے) دوسرے سمجھ کر رائے کا اظہار کر دینا میں ان دونوں چیزوں کا اہل نہیں۔ اور آپ کو آساں مجھے مشکل بہت۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہر منشی فاضل ضروری نہیں کہ پڑھا لکھا بھی ہو۔ اور یہ بھی کلیہ نہیں ہے کہ ایم۔اے۔ ہو کر لکھنا بھی جانتا ہو۔ یہ تو صرف اللہ کی دین ہے جو کسی کو نصیب ہے کسی کو نہیں؟

مجھے آپ ''کمر ہمت'' باندھنے کی تلقین فرماتے ہیں لیکن یقین کیجئے میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ مضمون نگاری بڑا مشکل فن ہے۔ اس کے لیے جو پتہ مارنا پڑتا ہے وہ میرے بس کا نہیں ہے۔

غالب نے چغلی کھائی تھی یا نہیں۔ اگر آپ آزادیٔ رائے کے حق میں ہیں تو مجھے

---

[1] مولوی عبدالحق بابائے اردو سے متعلق میرے ایک مضمون کو مرحوم نیاز فتح پوری نے اچھا بلکہ ''بہت خوب'' بتا کر نگار میں چھاپنے سے انکار کر دیا' میں نے جل کر جو کچھ ان کے نام لکھا اُسے انہوں نے نگار میں جگہ دی اور جواب دیا۔ میری وہ تحریر جو لطیف الزماں خاں کو بے حد بھائی۔ اب اصرار یہ کہ انہی تیوروں میں قدرت نقوی کے جواب میں بھی لکھو مگر وہ مجھ سے لکھا نہیں گیا ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی تحریک پر ''العلم'' کے غالب نمبر کے لئے میں نے غالب کی دشنام طرازیوں کو ''کتنے شیریں ہیں تیرے لب'' کے عنوان سے یکجا کر دیا تھا جسے کچھ لوگوں نے پسند بھی کیا۔ باقی رہی غالب کی چغل خوریوں کی بات تو بھائی غالب بڑے دنیادار بھی تو تھے شاعری ذریعۂ عزت نہ سہی پیٹ کے معاملات بھی تھے۔ ایک ہی قصیدے کو مختلف ہر آنے والے حکمران کا نام ڈال کر آگے بڑھانے والا حصول کرسی وزر کے لئے لگائی بجھائی کیوں نہیں کر سکتا۔ انگریز بہادر کی خوشنودیٔ مزاج سے زیادہ اپنے جلے ہوئے دل کے پھپھولے بھی تو پھوڑتا تھے۔ اور وہ خلوں کے تقاضے بھی اپنے شاگردوں اور احباب سے غالب بے طرح کرتے رہے۔ سبھی پلندے مرتب کرنے والوں کے نہیں غالب کے نام بھیجنے کی تلقین کی گئی۔ پورا مسودہ اپنی نگرانی میں ترتیب دے کر ناشر اور کاتب کے حوالے کیا گیا۔ غالب بہت جھکّی تھے۔ سست بندشوں کو چست کئے بغیر ان سے کیوں رہا جاتا۔ انیس ۱۲/ مئی ۱۹۹۰ء۔

یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ غالب جیسا انسان۔انسان جس کے لیے فلک برسوں پھرتا ہے ہرگز ایسی سوقیانہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر میں تھوڑی دیر کے لیے یہ رائے تسلیم کرلوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر غالب کو انگریز کے ہاتھوں اس کا صلہ کیوں نہیں ملا۔ آج بھی جب کہ انگریز یہاں سے چلا گیا ہے اور اپنی روایات دحکومت چھوڑ گیا ہے۔ کیا یہ روزمرہ کا تجربہ نہیں کہ جو لوگ چغلی کھاتے' مخبری کرتے' اور رسائی حاصل کرنے کے لیے ہر غیر شریفانہ فعل کر گزرتے ہیں۔ اگر ان کا سننے والا چلا بھی جائے تو آنے والا انہیں انہیں ''خوبیوں'' کی بناء پر نوازتا ہے۔ پھر اگر غالب کا وہ دوست جس سے غالب نے چغلی کھائی اور مر گیا تو آنے والوں نے غالب کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ کیا وہ کسی سے پوشیدہ ہے۔ نواب شمس الدین کو راستے سے ہٹانے سے غالب کو کیا مل جاتا؟

''انگریز کی بھتی'' ـــــــ نہیں صاحب وہ تو صرف دربار میں کرسی کا مسئلہ تھا' ورنہ غالب کو اپنی فارسی دانی ہی پر نہیں فارسی گوئی پر بھی ناز تھا۔ اور جب وہ ہندوستان کے فارسی گو شعراء کو خاطر میں نہیں لاتا تھا تو انگریز بے چارہ کس شمار قطار میں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک ہی قصیدہ ذرا سی تبدیلی کے بعد دوسرے کو بھیج دیا جاتا تھا۔

قتیل ہی پر کیا منحصر ہے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ اس عہد کی سماجی تاریخ لکھی جائے۔ اور ان تمام شعراء پر کام کیا جائے جن سے غالب متاثر ہوا تھا۔ یہ درست ہے کہ یہ کام ہندوستان ہی میں ہو سکتا ہے مگر صاحب اب وہاں پر چہ جا سکتا ہے نہ ادبی کتاب۔ آخر ہمارا تہذیبی رشتہ وہاں سے کیا رہا جو ہم غالب کے بارے میں سوچیں۔

قدرت صاحب نے واقعی انگریزی الفاظ جمع کر دیے ہوں گے۔ لیکن وہ تو یہ بھی کر سکتے ہیں کہ میرے کالج کے ایک اردو کے طالب علم کو اس پر آمادہ کر لیا کہ ایم اے کے امتحان کے ایک پرچے میں جو تھیسس لکھا جاتا ہے وہ قدرت پر لکھے۔ وہ خود لکھانے پر تیار تھے۔ وہ (تو) پنجاب یونیورسٹی نے مانا نہیں ورنہ آپ دیکھتے کہ یہ کام بھی ہو جاتا' قدرت

صاحب بڑے ہی دور کی کوڑی لانے والے انسان ہیں۔

آپ نے یہ جملہ ''آپ نے شفیتہ کا غالب کو شراب جیل میں پہنچانے پر غور نہیں کیا''، کسی سوال کے حوالے سے لکھا ہے صراحت فرمائیے مجھے یاد نہیں آرہا۔

یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک آدھ خط ایسا ہو جس میں غالب نے تصحیح کردی ہو مگر یہ کسی طرح نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ ہر خط کو مطبع میں جانے سے قبل غالب نے درست کیا ہو گا۔ مجھے آپ کی اس رائے سے قطعی اتفاق نہیں ہے کہ غالب نے محض اپنی آزادہ روی کی وجہ سے گالیوں کو نظر انداز نہ کیا ہوگا۔ برادرم۔ آزادہ روی کے یہ معنی کب ہیں کہ ایک انسان کا گالیاں بکنا بھی آزادہ روی میں شامل سمجھئے۔ اُس زمانے کا تو ذکر ہی کیا یہ تو آج بھی۔ آج جب کہ ادیب بڑی مہذب اور نستعلیق گالیاں تحریر و تقریر میں استعمال کرتے ہیں تو کیا وہ آزادہ روی ہے؟ میرے خیال میں اس کا جواب نفی میں ہے۔ غالب نے اگر خطوط کو طباعت سے قبل درست کیا ہوتا تو یقین کیجئے ان کو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لکھتا۔ اور کسی قیمت پر گالیاں اس میں نہ رہنے دیتا۔ لوگوں کے پاس اب بھی اصل رقعے موجود ہیں۔ ذرا دیکھ کر بتلایئے کتنے خط ایسے ہیں جن میں درستی کی گئی۔ آفاق حسین آفاق صاحب نے نوادرات کے نام سے خطوط کا مجموعہ شائع کیا ہے وہ سارے خطوط مخفوظ ہیں ان سے پوچھئے کہ کتنے خطوط ہیں جن میں درستی کی گئی ہے۔[1]

لے میں نے لکھا تھا ایام اسیری میں غالب پینے پلانے سے تو تائب ہونے سے رہے۔ یہ مشکل ظاہر ہے تو اب مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی ہی نے آسان کی ہوگی' اس سے پہلے کسی نے اس پہلو پر نہیں لکھا تھا۔ مے نوشی اگر ترک کی گئی تو وہ بڑی جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ ایک آدھ خط کی تصحیح کے اقرار تک تو خان صاحب بھی آگئے' خطوں کو ایک مسلسل مسودے کی شکل دی گئی ہوگی۔ ایک ایک خط تو اٹھا کر کاتب کے حوالے نہ کیا گیا ہوگا' جیسے کہ اب میں لطیف الزماں خاں صاحب کے خطوں کو صاف نقل کر کے اشاعت کے لئے بھجوانے کی فکر میں ہوں۔ مکاتیب کا پلندہ تو کاتب کے حوالے نہیں کر رہا۔ آفاق حسین کے مرتب کردہ مجموعے کا نام ''نادرات'' ہے غالباً کہتے ہیں وہ سب جعلی ہیں۔ انیس ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد۔

میں جس مکان میں ان دنوں ٹھہرا ہوا ہوں اس کے سامنے ایک بورڈ لگا ہوا ہے ''سید الطاف علی بریلوی'' ایک دن ملازم نے بتلایا کہ '' یہی صاحب بریلوی ہیں'' میں نے سلام عرض کیا اور آپ کے توسط سے اپنا تعارف کرایا۔ العلم کا سالانہ خریدار بننے کی خواہش کی۔ فرمایا کہ دفتر آ جیے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں چلا گیا۔ کچھ زیادہ وقفہ نہ گزرا تھا کہ ان کی اہلیہ تشریف لے آئیں۔ گھر پر کوئی نہ تھا۔ ملازم سے چائے بنوائی اسی سے خاطر کی۔ ایک صاحب میرے ساتھ ملتان سے آئے ہیں وہ افسانے پر مضامین لکھتے ہیں۔ سید صاحب کو بھی میں نے بلالیا۔ ہلکی پھلکی سی ادبی نشست ہوگئی۔ بے حد مصروف ہوں۔ وقت مل گیا تو جاؤں گا۔

آپ کی رائے سے مجھے پھر اختلاف ہے میں نے آپ کے مضمون کی صرف تعریف نہیں کی جہاں مجھے اختلاف معلوم ہوا اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ آج کل ادیبوں میں گروہ بندی عام ہے اور ستائش باہمی کے کاروبار نے گلڈ کو ختم کیا اور دوسری ادبی انجمنوں کو بھی۔ ادب کے معاملے میں یاری دوستی کو روا رکھنا میرے نزدیک ادبی بددیانتی ہے۔ میں نے تو وہی لکھا جو میرا جی چاہا۔ اب اگر کوئی صاحب اس کی تائید کریں گے تو آپ میری رائے کو صحیح تسلیم کریں گے ؟ یہ زیادتی ہے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ایک شخص رائے ظاہر کرے اور ہم نواؤں کو تلاش کرتا پھرے۔ نا صاحب ایسا نہیں ہے۔ [۱۷/اگست ۶۹ء]

میں یونیورسٹی اور بورڈ کے کاموں میں اس قدر الجھا ہوں کہ نہ تو کہیں کسی سے ملنے جاسکا ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ تسلسل کے ساتھ اس خط کو بھی مکمل نہیں کرسکا۔ آپ نے تو یہ تحریر فرمایا تھا کہ ماہر القادری صاحب ''ملانٹے'' ہرگز نہیں۔ ماہر صاحب کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ ''مست قلندر'' لاہور میں محبت بھرے خطوط لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے وہی حرکت کی جو ایک ملا نٹا کرسکتا ہے۔ فاران کا وی پی ملتان سے یہاں پہنچا۔ میں نے ساڑھے آٹھ روپے ادا کیے تو دو پرچے ملے ایک جولائی کا دوسرا اگست کا۔ میر

اخیال یہ ہے کہ انہوں نے یہ پرچے مجھے سالانہ خریدار بنا کر بھیجے ہیں۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میں سالانہ خریدار نہیں بننا چاہتا مجھے تو صرف وہ پرچے درکار ہیں جن میں غالب پر کوئی مضمون شائع ہوا ہو۔ ماہر صاحب صورت آشنا بھی ہیں مگر میری طبیعت نہیں چاہتی کہ ان سے جا کر ملوں اور وہ بھی اتنے سے کام کے لیے۔ آپ انہیں لکھنے میں پرچے انہیں واپس کر رہا ہوں۔ [۱۹۶۹/۸/۱۳ء]

نیاز صاحب پر آپ کا کتابچہ مل گیا۔ آپ نے میری رائے طلب کی ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اردو ادب سے جو لگاؤ مجھے پیدا ہوا اس کے ذمہ دار تین حضرات ہیں۔ نیاز صاحب، مجنوں گورکھپوری اور جوش، شاعری کو پڑھنا اور لطف اندوز ہونا جوش کی شاعری کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ نیاز صاحب کی تحریروں سے شعر کے حسن و قبح پر نظر ڈالنا آیا اور مجنوں کی تحریروں سے میں نے افسانوی ادب کا مطالعہ کیا۔ ان تینوں بزرگوں کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ جوش صاحب اور مجنوں سے نیاز حاصل کر سکا ہوں۔ نیاز صاحب کے سامنے جانے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔ مگر ان تینوں کی جانب سے دل میں ایک کسک بھی ہے ان تینوں حضرات نے ہجرت کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو دکھ پہنچایا۔ تینوں نے اپنی تحریروں سے پاکستان کی مخالفت کی اور پھر یہیں آئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ ایسا موضوع ہے جس پر پھر کبھی لکھوں گا۔ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ نیاز صاحب کے ہندوستان سے آنے کے کیا محرکات تھے اس کی تحقیق ضرور کیجئے۔ میں قبلہ والد صاحب کے انتقال کے بعد علی گڑھ گیا تھا وہاں جو کچھ میں نے سنا اسے لکھنے سے اس لئے گریز کرتا ہوں کہ وہ بات تحقیق شدہ نہیں ہے۔

میں قاضی احسان احمد صاحب سے قطعی ناواقف ہوں۔ میری نظر سے ان کی کوئی تحریر نہیں گزری۔

قدرت صاحب کا تقرر بورڈ میں ہو گیا۔ یہاں سوا سو پاتے تھے وہاں چھ سو

پینتالیس پاتے ہیں اور پھر کام کچھ نہیں بارہ الفاظ روزانہ کی تشریح۔ ایک بجے دفتر بند ہو جاتا ہے۔ آپ کو تو خود ہی معلوم ہے کہ وہاں لوگ تنخواہ پاتے ہیں۔ وہاں کام کرنے والوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۹۶۹/۹/۱۹ء

رشید احمد صاحب صدیقی ان جیسا نثر لکھنے والا دور جدید میں پیدا ہی نہیں ہوا اب نہیں برسوں سے بجھ گئے ہیں ان سے ملا ہوں اور آج تک ان کے چہرے کے کرب کو نہیں بھول سکا ہوں۔ ان کی صاحبزادی سلمٰی کی شادی دہلی میں ہوئی۔ تین بچوں کی ماں۔ اور ٹھوکر کھائی۔ شوہر نے منع کیا اور سمجھایا مگر وہ یہی کہتی رہیں کہ آداب اور ادب کے رشتے سے وہ کرشن چندر (اردو کے مشہور افسانہ نگار) سے ملتی ہیں۔ بالآخر شوہر سے علیحدگی ہوئی اور کرشن چندر اور سلمٰی نے شادی کر لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بس کچھ ایسا ہی واقعہ نیاز صاحب کے ساتھ پیش آیا۔ یہی میں نے سنا تھا اور کہنے والے صاحب پہلے صرف ڈاکٹر تھے اب حاجی بھی ہیں۔ تقویت اس خیال کو یوں ملتی ہے کہ نیاز صاحب کو وہاں مالی پریشانی نہ تھی۔ حکومت نے سب سے بڑا اعزاز بھی دیا اور پھر وہ یہاں آ کر کیا جئے کتنے دن جئے؟ وہاں وہ صرف نگار پر زندہ تھے۔ یہاں آ کر اور کام بھی کرنا پڑا۔

ولی کے گھر میں شیطان ایسے ہی موقع پر کہا جاتا ہے۔ رشید احمد صاحب جنہوں نے اردو نثر کو ایک نیا اسلوب دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین[1] خاں صاحب جن کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ شورش کاشمیری جیسا انسان اپنی کتاب ان کے نام معنون کر کے فخر محسوس کرے وہی رشید صاحب بیٹی کی نامعقول حرکت سے بالکل بجھ گئے۔ اگرچہ کہ ان کی عظمت میں کیا فرق آیا مگر پھر بھی خون دھوکہ دے گیا۔

۱؎ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کھلے بندوں ہندو مسلم میل ملاپ کے حامی تھے۔ ذاکر صاحب نے اپنی نواسیوں کو نوجوانوں سے بیاہ کر "سیکولر" ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ [انیس ۱۴/ مئی ۱۹۹۰ء محمد آباد]

نیاز صاحب نے مردانگی اگر کی تو صرف یہی کہ الجھ نہیں گئے بلکہ معروف رہ کر اُس غم کو بھلاتے رہے۔ ورنہ اگر نیاز صاحب کو آنا ہوتا تو اس وقت آتے جب پاکستان کے گورنر جنرل جناب غلام محمد صاحب مرحوم تھے۔ اُس زمانے میں کراچی کے ادبی حلقوں میں افواہ گرم تھی کہ غلام محمد صاحب نے بڑی رقوم پیش کیں کہ نیاز صاحب آئیں اور مودودی صاحب کا جواب ہوں۔ مگر نیاز صاحب نے قبول نہیں کیا تھا۔ کچھ اس لئے نہیں کہ وہ مودودی صاحب کی بات کا جواب نہیں دے سکتے تھے بلکہ اس لئے کہ لکھنؤ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن؟

ہاں صاحب خدا کی شان کہ شوکت سبزواری صاحب جیسا عالم، ماہر لسانیات اور جوش جیسا الفاظ کا جادوگر تو الگ کر دیا جائے اور قدرت صاحب اُن کی جگہ لئے جائیں۔ اب وہاں نسیم امروہوی صاحب اور میں باقی اللہ کا نام۔ لغت تو اب قدرت صاحب ہی لکھیں گے۔ حقی صاحب کو اللہ خوش رکھے۔ کچھ لوگ آخریوں بھی تو نام پیدا کرتے ہیں۔ کسی نے غلط تو نہیں کہا کہ "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا"۔ ۱۹۶۹/۹/۲۵ء

اس میں تو شک نہیں کہ آج جن لوگوں کو ہم ماہرین غالب کہتے اور سمجھتے ہیں وہ کل ہم میں نہ ہوں گے لیکن یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت۔ ہر شخص کو اپنی بساط بھر کام کرتے رہنا چاہئے۔ میں نے بھی ایک کام لگا رکھا ہے۔ یعنی غالب پر مطبوعہ کتب ورسائل ومضامین جمع کرتا رہتا ہوں اور یہ کام بھی مکمل نہیں ہو پاتا اور جب ایک کام پورا نہ ہو سکے تو دوسرے میں پاؤں پھنسانا کیا عقل مندی ہوگی؟ مجھے اپنے احباب کے جذبات کا واقعی احترام ہے لیکن میں اپنے علم سے بھی واقف ہوں۔ اللہ کے کتنے ہی بندے ہیں جو غالب پر کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اچھا آپ وعدہ فرمائیں کہ کسی سے ذکر نہ کریں گے تو آئندہ خط میں آپ کو لکھوں گا کہ کم از کم ایک کام ایسا کیا ہے جو اس وقت تک پاکستان میں کوئی نہیں کر سکا۔ اور یہ کام غالب سے متعلق ہے۔ لکھوں گا جب کہ آپ

حتمی وعدہ کرلیں گے کہ کہیں ذکر نہ آئے گا۔

رشید احمد صاحب کی بیٹی نے جو کچھ کیا ہے اسے یہ کہہ کر نہیں ٹالا جاسکتا کہ صرف ''کرشن چندر کی کیٹنگی تھی'' اس کے اثرات کیا ہوئے اور کہاں کہاں چوٹ لگی اس کا تعلق احساس سے ہے۔ خیر چھوڑیئے اس قصے کو۔

دہلی یونیورسٹی میں میرے ایک عزیز دوست ڈاکٹر ظہیر ہیں۔ میں اور ڈاکٹر ظہیر صاحب رشید احمد صاحب سے ملنے جارہے تھے۔ رشید صاحب کا مکان مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے احاطے میں ہی ہے۔ راستے میں ظہیر صاحب نے سلمیٰ کا حال بتلایا اور پھر انہی نے یہ کہا تھا: ''نیاز صاحب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ وہ پاکستان چلے گئے ورنہ وہ لکھنؤ نہ چھوڑتے''۔ میں نے تفصیل نہ پوچھی رشید صاحب کا حال معلوم کرکے ہی میرا دل لرز اٹھا تھا۔ نیاز صاحب کے بارے میں ایسی تفصیل معلوم کرنا مجھے کچھ اچھا نہ لگا۔ واقعات کچھ ہوں نیاز صاحب کو یہاں ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ یہی بات میں جوش صاحب اور مجنوں صاحب گورکھپوری کے لئے کہتا ہوں۔ یہ تینوں اپنے وقت کے امام قلم کے دھنی مگر۔ خیر ہٹایئے اس قصے کو۔

[ایسے معاشرے میں جہاں مرد وزن کے میل جول کا چلن عام ہو وہاں دل کے لرز جانے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ سیکڑوں گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار اور اس کے فروغ میں کوشاں یہاں وہاں سرگرم عمل ہیں۔ قائد اعظم نے بیٹی کو سناہے جیتے جی منہ نہیں لگایا تھا' رشید احمد صدیقی تو سلمیٰ سے من گئے تھے سلمیٰ جب کراچی آئی ہیں تو یہاں بھی ناقدری نہیں ہوئی ہاتھوں ہاتھ لی گئیں۔ ہندو مسلم شادی ہندوستانی تخلوط اور سیکولر معاشرے میں کہنا چاہئے عام ہے یا ہو چلی ہے۔ انیس/۱۵ مئی ۱۹۹۰ء/ محمد آباد]

آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ہندوستان میں غالب کے قلم کا لکھا ہوا دیوان دریافت ہوا ہے۔ میں نے اس مخطوطے کے مکمل عکس حاصل کر لئے ہیں۔ نقوش کا

غالب نمبر دوم شائع ہو رہا ہے یہ عکس اس میں شائع ہوں گے اس طرح کہ ایک جانب عکس اور دوسری جانب کتابت شدہ غزل۔ اس کو راز رکھنا یوں ضروری ہے کہ ہندوستان سے جن صاحب نے بکمال مہربانی یہ عکس فراہم کردیے ہیں ان سے یہ وعدہ ہے کہ یہ بات راز رہے گی۔ مطلب یہ کہ جب تک مالک مخطوطہ کا مخطوطہ فروخت نہیں ہو جاتا۔ یوں بھی میں نام و نمود نہیں چاہتا۔ طفیل صاحب میرے دوست ہیں اور اس نمبر پر انہوں نے بساط سے بڑھ کر پیسہ خرچ کیا ہے۔ میں نے بھی یہ چھوٹی سی خدمت انجام دے دی ہے۔ متوقع ہوں کہ آپ حسب وعدہ اس کا ذکر کہیں اور کسی سے نہ کریں گے۔ فوٹو گراف میری ملکیت ہیں آپ چاہیں گے تو آپ کو دکھلاؤں گا۔

دسمبر میں انشاء اللہ ضرور آؤں گا۔ پرسوں تو لاہور جا رہا ہوں۔ طفیل صاحب نے آج ٹیلیفون پر یاد کیا جانے کا سبب یہ ہے کہ میرے ایک نادیدہ دوست نثار احمد فاروقی جو دہلی کالج میں استاد ہیں ان کی ایک کتاب ''تلاش غالب'' لاہور میں شائع ہو رہی ہے۔ اس نئے مخطوطہ سے متعلق ایک نہایت اہم مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ طفیل صاحب مخطوطہ کے عکس کے ساتھ فاروقی صاحب کا مضمون شائع کرنا چاہتے ہیں' جو ناشر فاروقی صاحب کی کتاب شائع کر رہا ہے وہ طفیل صاحب کو مضمون کیوں دینے لگا۔ چنانچہ میں وہ مضمون حاصل کر کے انہیں دے کر اتوار کی شام کو واپس آ جاؤں گا۔

رشید احمد صاحب صدیقی ولی صفت انسان ہیں ان کے گھر میں اگر شیطان پیدا ہو جائے تو حیران ہونے کی بات نہیں۔ ایسی صد ہا نہیں لاکھوں بلکہ ان گنت مثالیں ملتی ہیں کہ والدین انتہائی شریف لیکن اولاد نے ایسے گل کھلائے کہ بیان سے باہر ہے۔ تربیت تو اس کی بری نہ تھی دوسری بات البتہ صحیح ہے کہ ناقص العقل ہے۔ کرشن چندر کو کیا کہا جائے۔ پیسہ تو اپنا ہی کھوٹا تھا۔ کرشن تو بڑے افسانہ نگار ہیں اور اکثر بڑے شاعر اور افسانہ نگار اور ناول نگاروں کا کردار عورت کے معاملے میں کچھ ایسا ہی رہا ہے۔ بالزک اور ٹالسٹائی کتنے عظیم

افسانہ نگار گزرے ہیں مگر عورت، عورت تو ہر مرد کی کمزوری ہے۔

بھائی میرے۔ میں بہت اخبار یا رسائل پڑھتا ہوں۔ اخبار پڑھنا میں نے اس وقت چھوڑ دیا تھا جب مرحوم غلام محمد نے ملک کی اسمبلی کو توڑ دیا تھا۔ ۱۹۶۹/۱۰/۲۳ء

میں تو صرف ادب کا طالب علم ہوں اور غالب کا پرستار اور کچھ نہیں آپ نے دریافت کیا ہے کہ نقول یہاں پہنچیں کیونکر تو جواب اس کا یہ ہے کہ ایک صاحب اُن جانے میں لے آئے ہیں۔ لانے والے صاحب کو خود اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا لائے ہیں۔ یہ کہانی بہت دلچسپ ہے۔ ابھی نہیں کبھی فرصت ملی تو سناؤں گا۔ عرشی صاحب تو بڑے محقق ہیں۔ سب سے زیادہ غالب کے پُرزے انہی نے اڑائے ہیں۔ ان کے پاس وسائل ہیں۔ پھر یہ کہ ہر قسم کی تحریر ان کے دسترس میں ہے۔ تقسیم ملک کے بعد ہی ادبی دستاویزات تک رسائی ہم لوگوں کی ممکن نہیں تھی اور اب تو جو لمحہ گزرتا ہے یہ دوری اور فاصلہ بڑھتا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ غالب ہی پر کیا اردو کے ہر شاعر وادیب پر جو کچھ ہاتھ آجائے اسے یہاں محفوظ کرنے کی کوشش کرنا ہم سب پر فرض ہے۔ آپ نے جو مضمون نقوش کے ایڈیٹر صاحب کو بھیجا تھا اس کے بارے میں ایڈیٹر صاحب ہی بتلا سکتے ہیں کہ انہوں نے اسے کیوں شائع نہیں کیا اور پھر یہ کہ اگر وہ شائع نہ کرنا چاہیں تو واپس کیوں نہیں کیا۔ میں کسی ملاقات میں ان سے یہ عرض کردوں گا کہ طاہر صلاح الدین کی غزلیات اور آپ کا مضمون واپس کردیں۔ مگر ہاں یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ کسی مناسب وقت کے منتظر ہوں اور شائع کریں۔ فروری اور مارچ ۷۰ء تک تو غالب ہی سے انہیں فرصت نہیں ملے گی۔ [۱۹۶۹/۱۱/۱۳ء]

[طفیل صاحب کتابت سے ادیب اور مدیر بن سکتے ہیں تو ہم کیوں پیچھے رہتے۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے شاعر خوش نوا داطاہر صلاح الدین کا میں ہنوز مقروض چلا آتا ہوں۔ میں نے نقوش میں چھپنے کی ایک کوشش اور بھی کی کی مگر

جب میں نے طفیل صاحب کی زبانی یہ سنا کہ نقوش میں تو رئیس احمد جعفری کو بھی نہیں ہم نے چھاپا۔ تب میرے کان ہوئے حضرت کہاں سے بول رہے ہیں۔

انیس ۶/ مئی ۱۹۹۰ء]

آپ سے میں نے صرف ایک خط واپس مانگا تھا اور اس کا بھی ایک خاص پس منظر تھا۔ آپ نے خط واپس کرنا تو درکنار سرے سے خطوط نویسی ہی ترک کر دی۔ میں کیا کرتا۔

[اور جناب ایسے حساط مکتوب نویس کے لئے میں کیا کرتا۔ یہی کرتا کہ بھیا یہ تو بہت آگے پیچھے دیکھ کر لکھنے والے لوگ ہیں رسم مراسلت ہی اٹھا دو۔ نو برس کی خاموشی بہر حال خوب رہی۔ انیس ۶/ مئی ۱۹۹۰ء]

آپ کی کتاب ''نیاز فتح پوری'' کو میں نے یکم مئی کو دوبارہ پڑھا۔ نیاز صاحب کے کراچی آنے کے بعد نگار رام پور سے اکبر علی خان نے شائع کیا۔ اکبر کا کہنا ہے کہ باقاعدہ اجازت بلکہ یوں کہئے خرید کر اشاعت کا اہتمام کیا۔ اکبر علی خاں حد درجہ بددیانت انسان ہے۔ نیاز صاحب ہی نے ٹھیک کہا ہوگا۔ [۲۲/ مئی ۱۹۷۹ء]

طفیل صاحب پر خاکہ آپ نے پسند فرمایا اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ یہ خاکہ پانچویں مرتبہ شائع ہوا ہے۔ کتاب کی طباعت' کتابت' کاغذ ہر چیز عمدہ ہے لیکن افسوس کہ اس میں اغلاط راہ پا گئی ہیں۔ مرتب نے عنوان بدل دیا۔ میں نے اس کا عنوان 'بوئے گل' رکھا تھا۔ کچھ جملے' بعض نام غائب ہیں اور یہ کتر بیونت میرے لئے باعث تکلیف ہوئی۔ سب سے پہلے یہ خاکہ محمد نقوش کے عنوان سے ملتان کے ایک رسالے ''ہم قلم'' میں بغیر میری اجازت کے چھپ گیا۔ ایڈیٹر صاحب پڑھنے کے لئے لے گئے فوٹو اسٹیٹ کرایا اور چھاپ لیا۔ ''اسباق'' پونہ میں میری رضا سے چھپا اور من و عن چھپا۔ دلی سے ''عصری ادب'' شائع ہوتا ہے۔ ٹائٹل پیج پر طفیل صاحب کی تصویر چھپی اور رسالے میں خاکہ۔ لیکن ایڈیٹر ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے دو نام ڈاکٹر نثار فاروقی اور اکبر علی خاں کے حذف کر دیئے

اور مجھے لکھا کہ "اودھم کریں گے" شریف آدمی ہیں حکومت ہند سے نہیں ڈرتے۔ ادبی غنڈوں سے ڈرتے ہیں۔ میں نے یہ خاکہ محمد نقوش ہی کے لئے لکھا تھا۔ اس کتاب کو میں مرتب کر رہا تھا۔ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ طفیل صاحب کو خاکہ ملا تو مجھے لکھا کہ "میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کی تھُو تھُو ہو"۔ چنانچہ مندرجہ بالا دونوں نام کٹ گئے۔ میں نے لکھا بھی کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کی کلیۃً ذمہ داری میری ہے۔ مگر وہ نہ مانے شریف آدمی ہیں اور ایڈیٹر کیا کریں۔ انہوں نے مجھے دس ہزار روپے دیئے تھے۔ مرتب نے دو ہزار کر دیئے اور ڈنڈی ماری۔ اگر کبھی میں کتابی شکل میں خاکے شائع کرسکا تو پھر اصل عبارت ہی ہوگی۔ میں نے گزشتہ سال ڈاکٹر سلیم اختر کا خاکہ لکھا عنوان تھا "سخنور" ماہنامہ الفاظ کراچی نے اپنا ایک شمارہ سلیم اختر کے لئے وقف کیا ہے۔ سب سے پہلے طفیل صاحب نے کہا "یہ خاکہ مجھ پر لکھے گئے خاکہ سے اچھا ہے"۔ سلیم اختر نے کہا "میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میرے بارے میں خاکہ لکھا گیا ہے بلکہ بحیثیت ناقد کے لکھتا ہوں کہ طفیل صاحب کے خاکے سے یہ خاکہ بدرجہا بہتر ہے۔" گزشتہ سال ۲۶؍ اگست کو نئی دہلی میں ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے سخن ور کی بڑی تعریف کی تو میں جل کر کباب ہوگیا۔ طفیل سے یاری ہے اور میں نے بڑی محبت سے اس کی تصویر بنائی تھی۔ یہی نہیں کہ میں نے اس کی اچھائیاں گنوائی ہوں میں نے اس کے معائب کو بھی پیش کیا۔ ملازموں سے سلوک۔ گھر میں بیوی اور بچوں سے برتاؤ، دوستوں سے میل ملاپ، پوتے پوتیوں سے دلچسپی، غرض کوشش کی کہ جیسا میں نے طفیل کو پایا ویسا ہی پیش کروں۔ مگر یہ کیا قصہ ہے کہ جس کو دیکھو وہ سخنور کی تعریف کر رہا ہے۔ الفاظ کا یہ شمارہ ایک ماہ میں ختم ہوگیا۔ کراچی اور لاہور سے آشنا اور ناآشنا لوگوں کے توصیفی خطوط پہنچے مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے طفیل کا خاکہ ہی پسند ہے۔ میرے ایک دوست اور کرم فرما پروفیسر نظیر صدیقی نے ایک مجموعہ شائع کیا ہے "نامے جو میرے نام آئے" یہ خطوط کا مختصر سا انتخاب ہے۔ بھلے آدمی نے میرا بھی ایک خط چھاپ

دیا۔ اس فہرست میں کیسے کیسے نام ہیں معاذ اللہ اور پھر میں ایک گوشہ نشین انسان۔

[۱۹۸۳/۸/۱۶ء]

میرے ایک رفیق کار ایک مرتبہ جاپان گئے اور جب وہ ہال میں داخل ہوئے تو اعلان کیا گیا کہ پروفیسر نذیر احمد خطاب فرمائیں گے تو ہال میں موجود ہر شخص اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لفظ پروفیسر مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں کیا مفہوم رکھتا ہے ہمارے ملک میں صورت حال یہ ہے کہ جو شخص کوئی کام نہیں کر سکتا وہ محکمہ تعلیم میں ملازمت کر لیتا ہے اس لئے کہ صرف تنخواہ ہی تو لینی ہوتی ہے کام تو کچھ کرنا ہوتا نہیں۔ ایک پروفیسر کی قسم وہ ہے جو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر قسمت کا حال بتاتے ہیں۔ بھائی پروفیسر تو بہت بڑا عالم ہوتا ہے اب گنتی گننے کو انگلیوں پر شمار کو نہیں ملیں گے۔ میں پروفیسر نہیں ہوں اور نہ یہ پسند کرتا ہوں کہ مجھے پروفیسر کہا جائے۔ میں نے ایک زمانے میں امروز ملتان میں کچھ ادباء و شعراء کے خاکے لکھے تھے اوّل تو وہ اب میرے پاس ہیں نہیں اور ہوتے بھی تو سوائے تین خاکوں کے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اسے کتابی شکل میں محفوظ کرتا۔ آپ نے گیارہ خاکے لکھے ہیں۔ خاکہ نگاری بے حد مشکل کام ہے۔ جب تک آپ اس شخص کے باطن میں نہ جھانک لیں اچھا خاکہ ممکن نہیں ہے۔ یقیناً آپ نے شاہد احمد صاحب دہلوی اور مہر صاحب کے عمدہ خاکے لکھے ہوں گے۔ مجھے دونوں سے نیاز مندی رہی۔ شاہد احمد دہلوی صاحب کے داماد عادل تو میرے ہم جماعت رہے۔ ان کی وہ بچی جو عادل سے منسوب تھی گھر آیا کرتی تھی۔ مہر صاحب انتقال سے صرف چار یا پانچ دن پہلے تک ملتان ہی میں تھے اور میں ہر روز ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا۔ ان کے صاحبزادے اسلم صاحب بڑے شریف انسان ہیں ان کی خواہش تھی کہ مہر صاحب کے خطوط جوان کے اور ان کی بچیوں کے نام ہیں انہیں میں مرتب کر دوں لیکن میں آمادہ نہ ہوا صرف اس خیال سے کہ غالب کے خطوط تو مہر صاحب ترتیب دیں اور مہر صاحب کے خطوط میں مرتب کر دوں۔ میرے ایک شاگرد شفیق

آتش بہاول پور یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے مہر صاحب پر ڈاکٹریٹ کا تھیسس لکھا اور خطوط جمع کئے ہیں واللہ اعلم۔ کئی سال ہوئے انہوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ خطوط لینے آئیں گے مگر نہ وہ آئے نہ خط آیا۔ میں نے طفیل صاحب کو آمادہ کرلیا تھا کہ وہ مہر صاحب کے لئے نقوش کا ایک شمارہ وقف کریں۔ مہر صاحب کی اسلم صاحب کے علاوہ تمام نرینہ اولاد نا معقول ہے۔ پہنچ گئے کہ نقوش کا مہر نمبر شائع ہوگا۔ تو ہمیں کتنی رقم ملے گی۔ طفیل صاحب نے خیال ہی ترک کردیا۔ یہ وہ اولاد ہے جو مہر صاحب کی زندگی میں ان کے جعلی دستخط کرکے بنک سے روپیہ حاصل کرتی تھی۔ خدا جانے ان کے کتب خانے کا کیا حال ہوا۔ قدیم اخبارات کے مکمل فائل ان کے پاس تھے۔ آپ نے مخطوطہ (خطوط مہر) تیار کردیا بہت اچھا کیا۔ یقیناً کوئی صاحب دل اسے شائع کرے گا۔ بہاول پور میں ایک صاحب نہایت عمدہ جلد بناتے ہیں۔ میرے ایک شاگرد مظہر سعید کاظمی یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی میں استاد تھے۔ (اب وہ یہاں یونیورسٹی میں ہیں) میری ایک کتاب کی جلد ٹوٹ گئی انہوں نے اُسے دوبارہ بنوایا ایسا معلوم ہوا کہ انگلستان سے کتاب ابھی ابھی آئی ہے۔ محترم محمد الدین صاحب جوہر قابل ثابت ہوں گے اور مخطوطہ کی عمدہ جلد بنوائیں گے۔ ۱۹۸۳/۸/۲۶ء۔

[نوعمریوں کے یہی تو لطف ہیں: جعلی دستخطوں سے پیسے نکلوا بلکہ اگلوالینا۔ پڑھ کر مجھے تو مزہ آیا۔ مہر صاحب مرحوم کا کتب خانہ بالکل سستے داموں میں ہزار روپے میں عجائب گھر لاہور نے خرید لیا۔ مہر صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے امجد سلیم علوی نے میرے نام مہر صاحب کے دو سو چونتیس مکتوب "خطوط" کے نام سے چھپوا دیئے تھے۔ بڑی بات یہ کہ قطع و برید سے قطعاً کہیں کام نہیں لیا گیا جو کچھ تھا من و عن چھپ گیا۔ مجھ سے زیادہ دل گردہ امجد سلیم کا تھا۔ ورنہ اردو میں کاٹ چھانٹ بات بے بات چلی جاتی ہے۔

انیس/ ۶ مئی ۱۹۹۰ء]

ملتان میں ایک اور لعنت بھی ہے جو داڑھی رکھ لے وہ صوفی کہلاتا ہے۔ بتایئے کیا کریں؟ مہر صاحب سے ایک روز میں نے پوچھا کہ کیا اقبال کا غیر مطبوعہ کلام بھی ہے؟ فرمایا ہے "مگر اتنے بڑے بڑے تالوں میں بند ہے"۔ دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔ اس وقت میرے ایک شناسا (لفظ دوست بھی پامال ہو چکا ہے میں صرف طفیل صاحب کو دوست سمجھتا ہوں) سلطان صدیقی ایڈووکیٹ بھی موجود تھے۔ جب ان کے انتقال کی خبر آئی تو بے اختیار آنسو نکل آئے۔ ریڈیو والے آئے زبردستی پکڑ لے گئے میرا گلا رندھا ہوا تھا بولا نہیں جاتا تھا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح تقریر کی اور یہ واقعہ بھی دہرایا۔ لیکن ہوائی باتوں کو کون سنتا ہے۔ نئی نسل کو کیا معلوم کہ مہر صاحب کی خدمات کیا ہیں۔ جو جانتے ہیں وہ بھی چپ ہو گئے ہیں کہ اقبال کو ہم نے گونگوں کے سپرد کر دیا ہے۔ مہر صاحب کے انتقال کے بعد میں نے کالج میں ایک جلسے کا اہتمام کیا اور ان کے پوتے سے صدارت کرائی۔ ایک مضمون میں نے بھی پڑھا تھا۔ اور وہ مضمون ان کے صاحبزادے اسلم صاحب نے لے لیا تھا۔ یہاں بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ایک صاحب نجیب الدین انصاری المعروف بہ نجیب جمالی یگانہ پر پی ایچ ڈی کا تھیسس لکھ رہے ہیں۔ آپ کا جی چاہے تو یونیورسٹی کے پتے پر خط لکھ کر پوچھ لیجئے کہ وہ آپ کو عاریتاً کتابیں دے دیں گے؟ پہلی بات تو یہ یاد رکھئے کہ ان کا اصل نام نہ لکھئے کہ اس سے جولاہے پن کی بو آتی ہے اور یونیورسٹی لیکچرر خواہ وہ جولاہا ہی کیوں نہ ہو اسے یہ بات پسند نہیں آتی۔ دوسری بات یہ کہ ان کے ہم جماعت بھی اگر گھر جا نکلیں تو ایک کپ چائے نہیں پلا سکتے۔ لفافے پر تو ساٹھ پیسے خرچ ہوتے ہیں اور رجسٹرڈ پیکٹ پر تو چھ سات روپے خرچ آتا ہے۔ حضرت کراچی پہنچے مشفق خواجہ سے ملے اور کہا "میں لطیف الزماں صاحب کا شاگرد ہوں" وہ میرے کالج میں پڑھتے ضرور تھے مگر وہ میرے شاگرد نہیں ہیں۔ خواجہ صاحب شریف انسان ہیں ان کے پاس جو کچھ یگانہ پر تھا سب کچھ اٹھا کر دے دیا اور نہایت لذیز کھانا بھی کھلاتے رہے۔ جس سے

لے میرا حوالہ دیتے رہے۔ ایک صاحب تو اپنی چیزیں لینے ملتان بھی تشریف لائے۔ ایک بات اور سن لیجئے۔ اوراق کے دو شمارے جو حال ہی میں شائع ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ ہندوستان کے عتیق حنفی صاحب کا مضمون جناب نجیب انصاری نے اپنے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ شائع کرا لیا۔ یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہونے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہوگا۔ اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ یگانہ کے سلسلے میں آپ یا کوئی اور صاحب مواد رکھتے ہیں تو یہ مسکین صورت بنائے آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور آپ سے سب کچھ نکلوالیں گے اور آپ سے کئی روز لذیز کھانے کھا کر واپس آ جائیں گے۔ لوگوں سے کہیں گے دیکھو کھانے پر کتنے روپے صرف ہوئے سب بچالایا ہوں۔ یگانہ پر ایک تھیسس پٹنہ یونیورسٹی میں لکھا گیا ہے اور یگانہ کی غزل پر علی گڑھ میں کسی طالب علم نے تھیسس مکمل کر لیا ہے۔ وہ اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح یہ مقالات ہاتھ آ جائیں تو ان کے ساتھ ہی وہی سلوک کیا جائے جو عتیق حنفی صاحب کے مضمون کے ساتھ کیا ہے۔ میرے ذخیرۂ کتب میں غالب شکن' گنجینہ' اور شاید آیات وجدانی ہو۔ عبدالماجد دریابادی نے جس واقعے پر بغلیں بجائی ہیں اس کا یگانہ کے کلام سے کیا تعلق؟

[۱۹۸۴/۹/۴ء]

[میرا گمان مدتوں سے یہ ہے کہ اقبال کا کلام تو ہوگا غیر مطبوعہ لیکن یہ جو اتنے بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں جہاں بھی۔ وہیں وہ مراسلت بھی دبی پڑی ہے جو ہمارے شاعر کی اپنے احباب سے دوران قیام لندن میں ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء جاری رہی' ظاہر ہے مرحوم نے خوب کھل کر انگلینڈ اور جرمنی کی رنگینیوں پر گفتگوئیں کی ہوں گی' اُسے چھپ کر عام ہونا چاہیے اگر اس میں اقبال کی جادہ پیمائیوں کے قصے بھی ہوں تو اقبال اتنے چھوٹی موٹی تو ہیں نہیں کہ بس مرجھا کر رہ جائیں گے۔ مولانائے دریابادی یگانہ کے منہ کالا کئے جانے پر بہت خوش ہوئے تھے۔ میں نے یگانہ کی سوانح عمری قریب قریب مکمل کر لی ہے۔

[انیس ۷/مئی ۱۹۹۰ء]

اقبال کا غیر مطبوعہ کلام مہر صاحب کے گھر نہیں اقبال کی اولاد کی تحویل میں ہے یہ بڑے بڑے تالوں میں بند ہے۔ مہر صاحب فرماتے تھے جو کلام چھپ گیا ہے اس کی رائلٹی اتنی ہے جو ورثا سے کھائے نہیں کھائی جاتی تو وہ غیر مطبوعہ کلام کیوں نکالیں اور کیوں چھاپیں۔ مرزا ظفر الحسن صاحب ۱۴ستمبر کو ساڑھے چھ بجے انتقال کر گئے۔ دل بہت اداس ہوا۔ وہ پستہ قد، گندمی رنگ کا ڈکٹیٹر مجھے بہت یاد آیا۔ بلا کا تمبا کو نوش ضدی اور اڑیل شخص۔ مرحوم اپنے آگے کسی کو نہیں گردانتے تھے۔ ان سب باتوں کے باوجود رسائل کی ایسی لائبریری مرزا صاحب بنا گئے ہیں جو کہیں اور مشکل سے ملے گی۔ میرے پاس رسائل کا بڑا ذخیرہ تھا۔ بیشتر اس کا حصہ میں نے مرحوم کے ایما پر غالب لائبریری کو دے دیا تھا۔ نجیب الدین صاحب کے بارے میں تازہ ترین اطلاع امروز ملتان کے ایڈیٹر جناب ساغر صدیقی صاحب نے یہ فراہم کی کہ کراچی میں آغا باقر صاحب کے پاس یگانہ کے قلم سے لکھا ہوا کلام تھا۔ حضرت نجیب وہاں رمضان سے قبل پہنچے اور مسکین صورت دیکھ کر آغا صاحب نے بیاض دے دی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ فوٹو اسٹیٹ بنواتے اور واپس کر دیتے لیکن بیاض لے کر یہاں آ گئے۔ آغا باقر صاحب کے بھائی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ فرمایا کہ "گرفتار کرو بیچ ____ کو"۔ لیکن ساغر صاحب نے بیاض کسی طرح حاصل کی اور آغا باقر صاحب کو روانہ کر دی۔ یگانہ پر ایک صاحب کی کتاب بھی میرے پاس ہے لیکن طبع شدہ اوراق کو کتاب تو نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم چونکہ آپ حالاتِ زندگی لکھ رہے ہیں ممکن ہے وہ آپ کے کام آ سکے۔ اس "جدیدیت" کے دور میں آپ کو کلاسیکیت سے شغف ہے۔

[۱۹۸۳/۹/۲۲ء] ●

جب ہندوستان تقسیم ہوا تو سید شجاعت علی قدرت نقوی میرٹھی ملتانی حال مقیم کراچی پاکستان کے حصے میں آئے اور اکبر علی خان رامپوری المعروف عرشی زادہ ہندوستان

کے حصے میں آئے۔ دونوں بزرگ باکمال بزرگ ہیں یوں تو جتنی خوبیاں ان باکمالوں میں پائی جاتی ہیں ان کے بیان کرنے کو طلسم ہوشربا کے مصنف کی ضرورت ہے۔ میں تو صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ دونوں بزرگ چاہتے ہیں کہ جو بھی کام ہو صرف ان کے حوالے سے ہو۔ قدرت صاحب جو خطوط لکھتے ہیں اس کی نقول بھی اپنے پاس رکھتے ہیں۔ چنانچہ مہر صاحب سے جو خط و کتابت ان کی ہوئی تھی اسے وہ آشوب آگہی کے عنوان سے شاید صحیفہ میں شائع کرا چکے ہیں۔ آیات وجدانی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن اب نہیں ملتا۔ یگانہ کا Writing، انگریزی میں ان کے دستخط اور جرمن قوم کے نام انتساب شاید کہیں اور نہ ملے۔ مدت گزری الیاس عشقی صاحب یہاں ریڈیو ملتان کے ڈائریکٹر تھے۔ غالب شکن کا دوسرا ایڈیشن انہی کا عنایت کردہ ہے۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے۔ [۱۹۸۴/۱۰/۷ء]

کل صبح میں جانوں بعد کہ دفتر گیا' کتابیں' سلیم اختر پر لکھا ہوا خاکہ اور ۱۸/اکتوبر کا خط ایسے لفافے میں بند کر دیئے جس میں اندر کپڑا ہوتا ہے۔ ڈاک خانے گیا اور رجسٹری نمبر ۹۷۲ کے ذریعے منتخب چیزیں روانہ کیں۔ کلاس روم میں دس منٹ لیٹ پہنچا۔ ملازمت کے دوران (میں) یہ پہلا واقعہ ہے۔ میں نے طالب علموں سے معافی مانگی مگر خوشی اس امر کی تھی کہ کتابیں بالآخر روانہ ہو گئیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ''ذمہ دار آدمی'' سمجھا۔ میں نے ملازمت کے طویل عرصے میں بہت کم رخصت لی ہے۔ اس سال صرف ایک دن کی چھٹی ۲۱/اپریل کو لی تھی۔ اس دن پیارے دوست محمد نقوش کے صاحبزادے پرویز نے دعوت ولیمہ میں شرکت کے لئے بلایا تھا۔ میرے طالب اکثر پوچھتے ہیں ''آپ بیمار نہیں ہوتے''۔ [۱۹۸۴/۱۰/۳۰ء]

میرے اور آپ کے درمیان جو ہلکی سی ترشی و تلخی آ گئی تھی وہ دراصل دیوان غالب بخط غالب کی طباعت کے سلسلے کی وجہ سے تھی۔ وہ وقت مناسب نہ تھا۔ اب میں نے

خود ہی طفیل صاحب کے خاکے میں حقیقت لکھ دی[1] ہے۔ مرزا ظفر الحسن مرحوم ادبی نہیں سیاسی آدمی تھے۔ انہوں نے فیض صاحب کو بیساکھی کے طور پر استعمال کیا۔ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کو انہوں نے غالب لائبریری کے قیام کے سلسلے میں بڑی خوبی سے استعمال کیا۔ افسوس کہ آخری زمانے میں بڑے تیز اور تلخ خطوط میں نے مرحوم کو لکھے اور یہ ان کے ڈکٹیٹرانہ لب و لہجہ کی وجہ سے ہوا اور میں نے انہیں پسپا کر دیا تھا۔ یگانہ جب تک زندگی گزارنے پر قادر رہے۔ بدقسمتی نے ساتھ نہ چھوڑا۔ مر گئے تو بھی بدنصیبی کم نہ ہوئی۔ نجیب جیسے لوگ ان پر مقالہ لکھیں گے۔ مولوی عبدالحق صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں۔ لیکن ان کی دستخط شدہ تصویر ہے۔ بعض نادر تصاویر ہیں جو شاید کہیں اور نہ ہوں۔ عبدالمجید قریشی صاحب سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی' ایک چھوٹی سی الماری کتابوں کی۔ باتیں زیادہ۔ لوگوں سے تعلقات کا ذکر اس سے بھی زیادہ' کام کچھ نہیں۔ [۱۹۸۴/۱۱/۱۳ء]

دیوانِ غالب بخط غالب کا نام طفیل صاحب نے نسخہ نقوش نہیں نسخہ لاہور تجویز کیا تھا۔ اس زمانے میں جو اختلاف میرے اور آپ کے درمیان ہوا اس کی تفصیل میرے خطوط میں ہو گی۔ میرے دل میں غبار نہ اُس وقت تھا نہ اب ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں اصولی بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ [۱۹۸۴/۱۱/۳۱ء]

عصمت چغتائی آئی تھیں لاہور میں ایک جلسے کے اختتام پر مرحوم وقار عظیم صاحب نے فرمایا "ہمارے ساتھ بھی ایک تصویر کھنچوا لیجیے"۔ چنانچہ عصمت' طفیل صاحب' وقار صاحب اور میں۔ ناصر زیدی چائے پیتے ہوئے زبردستی گھس آئے۔ اسلام آباد میں جوش صاحب کے مکان پر میں عصمت چغتائی کے ساتھ پہنچا۔ فوٹو گرافر فوٹو گراف بنانے لگا

---

[1] نسخہ امروہہ سے متعلق ادھوری معلومات فراہم کر کے وہ پچھتائے اور خطوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ عجیب سی بات۔ حالانکہ میں نے بات پھیلانے کی کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔ لہٰذا نو برس کا طویل وقفہ بیچ میں در آیا۔ انیس ۷/مئی ۱۹۹۰ء۔

تو جوش صاحب نے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اب تصویر کی صورت یہ ہے کہ میں درمیان میں ہوں ایک جانب جوش صاحب اور دوسرے ہاتھ پر عصمت۔ ایک عظیم شاعر اور ایک عظیم افسانہ نگار۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اپنی کتاب "تلاش غالب" میرے نام معنون کی لیکن مجھے اس وقت معلوم ہوا جب میں پروف پڑھ رہا تھا۔ میں نے بہ ہزار خرابی پبلشر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرا نام پورا نہ چھاپے بلکہ صرف "لطیف عارف" رہنے دے اس لئے کہ اس نام کو کوئی نہیں جانتا لیکن جب دلی سے یہ کتاب چھپ کر آئی تو میرا پورا نام موجود تھا۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن صاحب وائس چانسلر بہار نے اپنی کتاب اقبال اور فنون لطیفہ میرے نام معنون کی مگر اس کی اطلاع ایک دوست نے دی اور جب ہندوستان سے کتاب آئی تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے میرا پورا نام چھوایا ہے۔ برادرم نظیر صدیقی کو تو میں سات آٹھ ماہ تک مسلسل منع کرتا رہا لیکن وہ نہ مانے اور تفہیم و تعبیر نہ صرف میرے نام معنون کی بلکہ نام سے پہلے لفظ پروفیسر بھی چھپا جو میں نہیں ہوں۔ مجھے نمود و نمائش سے بڑی کوفت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان اور میں یونیورسٹی میں ساتھ تھے وہ اردو میں اور میں شعبۂ انگریزی میں تھا اور قریبی تعلق رہا لیکن میں نے ان سے نہ کبھی کتاب طلب کی نہ رسالہ۔ مشفق خواجہ صاحب سے بھی یہی قصہ ہے۔ "سیپ" کے ایڈیٹر نسیم درانی نے بہت کہا لیکن میں رسالہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔ صہبا لکھنوی صاحب کو تو میں تقسیم ہند سے قبل جانتا تھا لیکن وہ نہ چندہ لیتے ہیں نہ میں رسالہ۔ احمد ندیم قاسمی صاحب سے ۱۹۴۸ء سے یاد اللہ ہی ہے میں نے کبھی کوئی کتاب یا رسالہ بغیر قیمت ادا کئے نہیں لیا۔ ہاں طفیل صاحب کا معاملہ مختلف ہے ان سے دوستی ہے وہ (کتاب بھی بھیجتے ہیں اور رسالہ بھی۔ ۱۹۸۳/۱۲/۱۱ء

(A) یوپی میں جب کسی کی شادی ہوتی تھی تو لڑکیاں ایک شب ڈھولک پر گیت گاتی تھیں۔ عورتیں شامل ہوتیں اور آخر میں بوڑھی نانیاں اور دادیاں بھی آ جاتیں اس کو رت جگا کہتے تھے۔ نیں تو "انسومنیا" کے مرض میں مبتلا ہوں یعنی نیند نہیں آتی۔ ۱۹۸۵/۲/۳ء

پروفیسر آزاد صاحب شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی کو اور پروفیسر ڈاکٹر انصار اللہ نظر صاحب شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو خطوط لکھ چکا ہوں مگر آج تک جواب نہیں آیا۔ ڈاک خرچ اتنا زیادہ بڑھ گیا ہے کہ لوگ خطوط کا جواب نہیں دیتے ڈاکٹریٹ کے تھیسس کی نقل کون بھیجے گا۔ "یگانہ کی غزل" از جمیلہ بانو یہ مقالہ یونیورسٹی علی گڑھ میں لکھا گیا۔ یگانہ حیات اور کارنامے از عبدالرشید پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ میں لکھا گیا۔ علی گڑھ میگزین ۶۱ میں یگانہ کی خود نوشت شائع ہوئی تھی۔ یہ میگزین ڈاکٹر معین الرحمٰن صدر شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج لاہور کے پاس موجود ہے۔ میرا حوالہ دیئے بغیر منگوایئے شاید دے دیں۔ نقوش شخصیات نمبر اور آپ بیتی نمبر دونوں میں مضامین ہیں۔ صاحب از طفیل میں حوالہ آیا ہے۔ نیا دور جولائی ۶۱ میں بھی ایک مضمون موجود ہے۔ اردوئے معلیٰ (دہلی یونیورسٹی) غالب نمبر حصہ دوم بھی دیکھیے۔ آپ جب یہ مطالعہ فرمالیں تو بتایئے گا میں سب سے پہلے تھیسس کا عنوان اور مصنف کا نام لکھ بھیجوں گا۔ ۱۹۸۵/۳/۶ء۔

ذرا احتیاط برتیے گا۔ نثار احمد فاروقی جیسے چالاک شخص سے آپ کا واسطہ پڑا ہے وہ آپ کو یگانہ کی غزل از جمیلہ بانو قیامت تک نہیں بھیجیں گے۔ البتہ آپ سے دو چار ہزار روپے نقد یا کتابوں کی شکل میں وصول کریں گے۔ ایسا ہنر مند ادیب برصغیر میں کم پایا جاتا ہے۔ ۱۹۸۵/۳/۱۳ء۔

سب سے پہلا ڈاکٹریٹ کا مقالہ راہی معصوم رضا صاحب نے یگانہ پر لکھا تھا۔ راہی صاحب بمبئی میں ہیں۔ ان کا مقالہ کتابی شکل میں چھپ چکا ہے۔ ۱۹۸۵/۳/۱۸ء

نثار احمد فاروقی صاحب ایک کے بدلے ایک کتاب طلب نہیں کرتے ایک کے بدلے سو کتابیں چاہتے ہیں اسے مبالغہ نہ جانیے۔ تین باتیں مختصر طور پر لکھتا ہوں۔ میں نے دو ہزار نقد انہیں دلوائے اور یہ گزارش کی کہ میری خالہ صاحبہ کو بیس روپے ماہانہ بھیجتے رہیں۔ صرف دو سو چالیس روپے بھیجے باقی سب ہضم کر گئے اور خالہ صاحبہ ایک ایک نوالے کو ترستی

رہیں اور آخر وہ بیوہ ضعیف اور بیمار خاتون اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ ایک مرتبہ ملاقات ہوئی فرمایا کہ انجمن ترقی اردو کراچی ڈاکٹر گیان چند جین کو تین سو روپے بھجوانا چاہتی ہے تم دے دو۔ انجمن تمہیں دے دے گی۔ میں نے روپے دے دیئے۔ ڈاکٹر جین کو آج تک روپے نہیں ملے۔ دس بارہ سال کے بعد معلوم ہوا کہ انجمن غیر ملکی ادیب کو روپیہ صرف اسی صورت میں ادا کرتی ہے کہ وہ خود آئے اور وصول کرے۔ چنانچہ وہ رقم بھی ڈوبی طفیل صاحب رسول نمبر چھاپ رہے تھے۔ فاروقی صاحب تشریف لائے۔ ان کی پسندیدہ ساڑھے چھ ہزار روپے کی کتابیں خرید کر طفیل صاحب نے بذریعہ ہوائی جہاز (کرایہ کا اندازہ خود لگایئے) دلی بھجوائیں۔ جب کتابیں پہنچ گئیں تو دلی سے موصوف کا خط آیا کہ دس ہزار روپے اور بھجواؤ تو مضامین لکھواؤں گا۔ وہ رقم بھی ڈوبی۔ میں نے کتنی کتابیں انہیں بھیجی ہیں۔ سب ڈائری میں لکھی ہوئی ہیں۔ بیاض غالب بخط غالب کے تین سو نسخے میں اور طفیل صاحب سرحد تک پہنچا کر آئے تھے۔ ایک فہرست دی تھی کہ فلاں فلاں ادارے اور اصحاب کو بھیج دیں۔ ایک بھی نسخہ کسی کو نہیں دیا تین سو روپے فی نسخہ کے حساب سے تمام جلدیں فروخت کر دیں اور پیسہ ہضم۔ تو جناب یہ ہاضم امروہوی ہیں۔ نثار احمد فاروقی تو لوگوں نے ویسے ہی کہنا شروع کر دیا ہوگا۔ اصل نام ہاضم امروہوی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تمام جلدیں پہلے مشفق خواجہ کے ہاں سے اٹھائیں اور لاہور پہنچ کر بے چارے ڈاکٹر معین الرحمٰن کے گھر ڈاکہ ڈالا اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تمام جلدیں اٹھا کر سیدھے دلی پہنچ کر دونے دام کھرے کئے اور قصہ ختم پیسہ ہضم۔ منشی پریم چند نے آہنگ غالب کے نام سے غالب کے دیوان کی شرح لکھی تھی میں اس کی تلاش میں ہوں۔ مرزا ظفر الحسن مرحوم نے ''تماشائے اہل کرم'' کے نام سے غالب پر کوئی کتاب لکھی کیا یہ شرح ہے۔ مہر نیمروز کا قصہ یہ ہے کہ یہاں ایک صاحب تھے آغا ارسطو جاہی صاحب۔ ان کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ ایسا تھا جس پر غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی زائد عبارتیں تھیں۔ پنجاب یونیورسٹی غالب کی تمام

کتابوں کو دوبارہ شائع کر رہی تھی۔ میں نے مرحوم حمید احمد خاں صاحب کو لکھا تھا کہ احسن صاحب جو مہر نیم روز کو مرتب کر رہے ہیں تشریف لائیں میرے یہاں قیام فرمائیں اور اس نسخے کو دیکھ لیں۔ اسی سلسلے میں مہر صاحب کو بھی لکھا تھا لیکن احسن صاحب نہیں آئے اور کسی پرانے نسخے کا ری پرنٹ چھپ گیا اور مرتب اس کے احسن صاحب ہوئے۔ سلطان صدیقی نے ایم اے ایل ایل بی علی گڑھ سے پاس کیا۔ جب ہندوستان میں ملازمت نہ ملی تو یہاں آ گئے اور وکالت شروع کر دی۔ میں نے انہیں مجبور کیا کہ علیگ ہوا اور لکھتے نہیں ہو۔ چنانچہ غالب پر مضامین لکھوائے جو عرفان غالب کے نام سے کتابی شکل میں چھپے میں نے مہر صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ اس پر دیباچہ تحریر فرمادیں مگر مرحوم اس قدر مصروف رہے کہ اس پر کچھ نہ لکھ سکے۔ سلطان صاحب اب بالکل نہیں لکھتے۔ وکالت پیشہ ہے عملاً کچھ نہیں کرتے۔ اب حاجی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا پڑھنا لکھنا لوگوں سے ملنا ہر چیز ترک کر دی ہے۔ میں نے مہر صاحب کے خطوط کے لئے اتنے چکر ان کے گھر کے لگائے ہیں کہ میں کوچہ یار میں بھی اتنی مرتبہ بھی نہ جاتا مگر حاجی سلطان پر کچھ اثر نہیں میں اس کی مغفرت کی دعا بھی سے مانگ رہا ہوں۔ ۱۹۸۵/۳/۳۰ء

ہاضم امروہوی کو میں نے ''کتاب چور'' نہیں لکھا انہیں کتاب چرانے کی کیا ضرورت ہے۔ جب طفیل صاحب جیسے لوگ خرید کر انہیں گھر تک پہنچا دیتے ہیں اور مجھ جیسے بے وقوف ان کے کہنے پر کتابیں خرید کر بھیج دیتے ہیں۔ ملتان میں ایک علاقے کو چوک بازار کہا جاتا ہے۔ شہر کا سب سے بڑا بازار ہے۔ ہر قسم کا انسان وہاں نظر آتا ہے۔ ایک فقیر کبھی کبھی صدا لگاتا ہے ''اندھا محتاج اور لاچار ہے'' میں نے کئی گھنٹے ضائع کرنے کے بعد معلوم کر لیا کہ وہ اندھا نہیں ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ نہ محتاج ہے اور نہ لاچار۔ بہت بڑا ماہر نفسیات نہ کہیں تعلیم بھی وہ بلا کا چہرہ شناس ہے اور علم قیافہ سے کام لے کر صرف اس وقت صدا لگاتا ہے جب اسے یقین ہو کہ سننے والا اس کے وار سے بچ نہیں پائے گا۔ ہاضم

امروہوی بھی اس معاملے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ان کی ایک کتاب تلاشِ غالب میں نے لاہور سے چھپوائی تھی۔ یہ کتاب ٹائپ میں گلاز پیپر پر شائع ہوئی تھی۔ تمام روپیہ میں نے خرچ کیا۔ ملاقات بھی ہوئی' خط و کتابت بھی رہی مگر کیا مجالٕ جو کبھی جھوٹے سے بھی حضرت صاحب نے ذکر کیا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ تین سو جلدیں وصول فرمائیں اور دلی پہنچ کر فروخت کردیں۔ اس کی جلد طفیل صاحب نے بنوائی اور ڈسٹ کور بھی انہی نے تیار کرایا۔ ہاشم صاحب کے کمالات اتنے ہیں کہ میں سال بھر کم از کم سال بھر مسلسل بارہ گھنٹے روزانہ لکھوں تب بھی پڑھنے والا کہے گا کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ مرحوم عبدالقادر سروری صاحب کا ایک مضمون "کلام غالب کی شرحیں" بین الاقوامی غالب سیمینار مرتبہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں میں شامل ہے۔ میں نے بھی پہلی مرتبہ اسی مضمون میں پڑھا کہ منشی پریم چند نے آہنگ غالب کے عنوان سے دیوان غالب کی شرح لکھی جسے دوآبہ پبلشرز لاہور نے شائع کیا تھا۔ حیرت ہے کہ لاہور میں کسی لائبریری میں یہ شرح نہیں ہے۔ بھائی کیا کہیں میں نے مولانا سہا اور شوکت میرٹھی کی شرحیں بھی نہیں دیکھی ہیں۔ ۷ ۱۹۸۵/۳/۱۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی کے پروفیسر اسلوب احمد انصاری صاحب نے تو اپنی زندگی اقبال فہمی کے لئے وقف کر رکھی ہے ان کی اقبال پر ایک کتاب ایسی بھی شائع ہوئی کہ مرحوم اندرا گاندھی وزیراعظم ہند انہیں مبارک باد دینے پہنچیں۔ میرے ایک نہایت عزیز دوست پروفیسر نذیر احمد صاحب اقبال صدی کے زمانے میں لندن میں سفارت خانے میں ملازم تھے۔ اب ڈپٹی سیکرٹری ہیں۔ انہوں نے مجھے لندن سے لکھا تھا کہ اقبال سے محبت تو دور کی بات ہے۔ پاکستانی ادیبوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی ڈھنگ کی کتاب ہی نہیں لکھی۔ اس کے برعکس ہندستان میں بہت بڑی تعداد میں اقبال پر نہایت عمدہ کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ اقبال کے نام پر اکیڈمی قائم ہے مگر لوگ اس کو روپیہ کھلانے کے لئے غیر ممالک کی سیر کرانے کے لئے اور جو کسر رہ جاتی ہے تو باہر سے دانشور آتے ہیں۔ ایک

خاتون کا نام آپ نے ضرور سنا ہو میری شمل، یہ خاتون ہر سال ہی تشریف لاتی ہیں اور سارا زور اس بات پر ہے کہ اقبال صوفی تھے اچھا صاحب ہوں گے لیکن اقبال کے کلام کا وہ حصہ جو حرکت و عمل کی تلقین کرتا ہے اس سے اجتناب برتا جاتا ہے۔ کیا اقبال کے بارے میں سچ بولا جا سکتا ہے۔ ۱۹۸۵/۹/۱۷ء۔

لطیف الزماں خاں کے ارشادات آپ نے ملاحظہ فرمائے اب اجازت چاہتا ہوں۔ انیس ۹ مئی ۱۹۹۰ء۔]

[فاضل مصنف نے بعض مقامات پر اپنی رائے خطوط کی رعایت سے ہر خط کے آخر میں اور بعض جگہ اس رعایت کے بغیر صفحہ کے آخر میں درج کی تھی۔ صفحہ کے آخر میں درج آراء ہم نے قارئین کی آسانی کے لئے یہاں جمع کر دی ہیں تاکہ اشتباہ نہ ہو۔ (ادارہ)]

[ماہنامہ طلوع افکار کراچی مئی ۱۹۹۱ء]

دیوانِ غالب بخطِ غالب (ڈاکٹر نثار احمد فاروقی) کتاب نما میں شائع ہو چکا ہے حقیقت کیا ہے اس کا جواب بھی ضروری ہے۔

[اکبر رحمانی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی مئی ۱۹۹۱ء]

ابا مرحوم سید مبارک شاہ جیلانی اردو کے رسیا سندھی سرائیکی نژاد ہوتے ہوئے خدا جانے کیوں تھے۔ مبارک اردو لائبریری کا ڈول ۱۹۲۶ء میں ڈالا۔ کتب خانے کا نقیب بھی تو ہو کوئی۔ لہٰذا ۱۹۳۳ء میں سہ ماہی ''لالۂ صحرا'' کا اجراء ہوا۔ مشاعرے کرائے نشستوں کا اہتمام ہوا۔ یہ ایسے وقتوں کی بات ہے جب سفر اتنا آسان نہ تھا اور اس دیّار نے میں گنتی کے لوگ بھی مشکل سے پائے جاتے تھے۔ ''پڑھے لکھوں'' کا ایک قحط تو اب بھی ہے جب کیا حال ہوگا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ابا مرحوم کی تعلیم بھی تو یونہی سی مکتبی مسجدی تھی۔ مطالعے اور مشق و مزاولت سے لکھنے کا ایک ڈھبّ سا ان کو آ گیا تھا۔ یو پی کی تہذیب

پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے ان کی اولادوں میں بھی اردو سما جائے۔ میرے بڑے بھائی مہدی شاہ کو انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں اور مجھے رئیس احمد جعفری مرحوم کے گھر میں ڈالا۔ پڑھ لکھ کے تو ہم دونوں نے کچھ ایسا نہیں دیا۔ بول چال کی حد تک ضرور شین قاف سے درست ہو گئے۔ اچھے اچھوں سے ربط ضبط اپنی تعلیمی محرومی کا ازالہ میں نے مشاہیر اردو سے مراسلت اور ملاقات کرنے کی کوشش کی' جواب تک جاری ہے اور اس پر میں کبھی نہیں شرمایا۔ میں شاعروں ادیبوں سے کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا ہوں۔ بہت کچھ سمجھا' سیکھا بھی۔ لطیف الزماں خاں صاحب کا یہ کہنا کہ "مجھے اندازہ ہے وہ برصغیر کے کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتے ہوں گے"۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیسے اور کن ادیبوں کو خط لکھتا ہوں دو تین نام موصوف نے خود بھی لکھ دیئے ہیں مہر نیاز عبدالحق' یہ تینوں معتبر اور مستند ہیں' ایسے لوگوں سے مراسلت پر غالباً کوئی معترض بھی نہیں ہونے کا۔ میرے طالب علمانہ سوالات کے جواب دینا مرحومین کی عالمانہ اور ادیبانہ سخاوت تھی۔ سوال کا دوسرا نام تحقیق ہے' میں نے اس میں تفتیش کو بھی شامل کر لیا تو اسے بھی ایک طرح اضافہ ہی کہنا ہوگا۔ اگر کرید یئے گا نہیں تو تحقیق مکمل نہیں ہونے پاتی۔ کرید یئے پر بھی بہت سی چیزیں تشنہ ہمیں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ خاں صاحب ہی کے محبوب موضوع غالب کو لے لیجئے' غالب کی کرید پر ایک صدی گزر چکی اس پر بھی ہنوز بیسیوں پہلو باقی ہیں۔ کرید ہنر ہے عیب کب سے ہوا۔ سب سے بڑے کرید یئے قاضی عبدالودود تھے۔ کرید کے میدان میں اور بھی بہت سے مجنوں جادہ پیمائی کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ میرا شمار محققین اردو میں نہیں ہوتا۔ جو لوگ فن کرید کے ماہر ہیں۔ خاں صاحب نے کبھی ان کی خبر نہیں لی۔ مجھ پر لٹھ لے کر دوڑنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ مشاہیر عصر سے فضول کی مراسلت بھی تو میں سمجھتا ہوں ایک اعزاز اور اصلاح حال کی ایک شکل ہے تو۔ دو تین نام تو بہت معتبر ہیں۔ مہر نیاز عبدالحق۔ میں نے تو بہت سے اخلاق اختہ ادیبوں کے خطوط بھی سینت سینت کر رکھے ہیں۔ مجھے ان کے تحریری وجود سے سابقہ

رہا۔ وہ اتنی بوتلیں شراب کی ڈکار جاتے ہیں' صنفِ نازک ہی نہیں صنف کرخت پر کیوں کر جھپٹتے اور پٹتے پائے جاتے ہیں' اس کے بھی ہم نے محض لطف لئے ہیں' ادیبانہ اور شاعرانہ عظمت کے نقش ہمارے دل پر جگمگایا ہی کیے۔ رئیس امروہوی' جون ایلیا' سید محمد تقی' جوش ملیح آبادی' رشید اختر ندوی' مجید لاہوری' شکیل عادل زادہ' محمد علی صدیقی' انور شعور' اور گنتے چلے جایئے بیسیوں کا حاضر باش تو میں رہا ہوں۔ سینکڑوں سے خط و کتابت رہی ہے' رہتی ہے۔ کوئی مکمل فرشتہ کوئی پورے کا پورا شیطان کہیں نہیں پایا جاتا۔ آدی تو آدمی ہوتا ہے۔ خیر و شر کا مجموعہ نہیں مرقع۔ مجموعے اور مرقعے کا فرق خاں صاحب کہ ان کو اہلِ زبان ہونے کا غرہ بھی ہے مجھ سے بہتر جان جائیں گے۔ ''کیسے اور کن'' سے مراد اگر ایسے ویسے لوگوں سے ہے تو میری مراسلت میری ملاقاتیں انہی ایسے ویسوں سے رہی ہیں' رہیں گی۔ لطیف الزماں خاں کے نام مجھے یاد نہیں رہا۔ میں نے اتنا اور ایسا کیا کیا لکھا تھا کہ وہ زِچ ہو گئے۔ ظاہر ہے میرے سوالات کی بھرمار ذاتی قسم کی تو رہی نہیں ہوگی۔ طالب علمانہ سوالات ہوں گے۔ زِچ تو وہ ہوتا ہے جس پر اس کی صلاحیتوں سے زیادہ کچھ لاد دیا جائے۔ میں نے بہرحال خاں صاحب کو پروفیسر سمجھ کر ہی کچھ پوچھا ہوگا۔ ایک طرف تو غالب سے عشق کے دعوے ہیں' اور میرے سوالات بھی بقول ان کے غالب ہی سے متعلق رہے تھے۔ تو وہ تو میں نے سنبھال کر رکھے بھی' باقی فضول کے مراسلے پھاڑ کے پھینک دیئے۔ اس سے ظاہر ہوا میں نے بطور ادیب کے خاں صاحب کو لیا ہی نہیں۔ میرا مسئلہ غالب رہا ہوگا' غالب سے متعلق تحریریں تو محفوظ رہیں باقی ضائع ہو جانے کا چرکا خان صاحب کو سہنا پڑا۔ اب سمجھ میں آیا وہ مجھ سے خفا خفا سے کیوں ہیں۔ ایک طرف تو وہ کہتے ہیں' خط مکتوب نگار نہیں مکتوب الیہ کی ملکیت ہے۔ پھر ان کی واپسی کا مطالبہ کیسا اور اگر آپ کے قلم سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی ہے اور اس کا اخفا مقصود ہے تو یہ بات قلم چلانے سے پہلے آپ کی عقل میں کیوں نہیں آئی۔ ہم تو یہ جانتے ہیں قلم اور زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پرایا ہو جاتا ہے اور سچی بات اگر

کوئی بھولے سے خان صاحب کی زبان قلم سے نکل بھی گئی ہے تو اسے کار ثواب کے ذیل میں لئے جانے میں حرج ہی کیا ہے۔ مجھ سے ان سے نہ تو ان کی عاشقی کے قصے زیر بحث آئے نہ خاتون خانہ سے چخ اور جوتم بیزار کا ذکر آیا نہ اولاد کی نافرمانیوں کی کوئی کہانی حضرت نے ہم سے چھیڑی، بچپن لڑکپن کے حوادث سے بھی ہمیں لاعلم رکھا گیا۔ وہ جوان کا کہنا میرا اُن سے بے تکلف ہونے کا ہے تو جس شخص سے کبھی ملاقات ہی نہ ہوئی ہو۔ کاغذی ملاقاتوں میں کوئی کسی سے کہاں تک کھل سکتا ہے۔ میرا لب ولہجہ اب کیا کر رہا ئے کدھر کو جا رہا ئے بھی ظاہر ہے نہ رہا ہوگا' حُسن کے پُرے وہ نہیں ہیں کہ ان پر عشق جھاڑا جاتا' تاہم ایسے لوگ (ادیب اور شاعر) بھی موجود ہیں پچیس پچیس برسوں سے مراسلت چلی جاتی ہے۔ آمنا سامنا نہیں ہوا لیکن ہم ایک دوسرے کے لئے کھلی کتاب ہیں۔ دل مل جانے والی بات ہوئی نا یہ۔ لطیف الزماں خاں میرا دور کا مطالعہ یہ ہے کہ بہت کچھ سپاٹ ہیں وہ بنتے بہت ہیں آنکھ سے آنکھ ملانے والی کوئی بات ان میں نہیں پائی جاتی وہ ہر وقت سیاہ چشمہ چڑھائے رہتے ہیں۔ ایک انگریزی پڑھانے والے اُستاد اور غالب زدہ آدمی مولویانہ یبوست کا شکار ہو جائے تعجب ہے۔ میں حسن ظن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ میں تو اب بھی لکھتا رہتا ہوں' میں کبھی راہ ورسم توڑنے کا روادار نہیں رہا۔ تحریر میں شخصیت کو تلاش کرنے والا لطیف الزماں میرے خاکساری اور مستقل مزاجی کے جوہر کو نہ پا سکا' افسوس۔ میرے خطوط نویسی اور کرید کے مرض کا شاخسانہ مولانا غلام رسول مہر کے مکاتیب کا مجموعہ ''خطوط'' اگر آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو تو اسے دیکھئے اور خاں صاحب کی ''صاحب نظری'' کا ماتم کیجئے۔ [انیس بنام حسین انجم' مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی' جون ۱۹۹۱ء]

آپ کا بھیجا ہوا 'بقلم خود' کا عکس مل گیا تھا' میں ۱۲/ جولائی کو انگلستان آ گیا اور ابھی ۱۰-۱۲ دن یہاں اور قیام رہے گا اس لئے جواب نہ دے سکا تھا۔ آپ نے جو کچھ چھاپا ہے وہ بہت اہم ہے۔ مجھے آپ صرف اُس خط کی فوٹو کاپی ازیروکس کاپی بھیج دیں جس میں

موصوف نے لکھا ہے کہ طفیل صاحب مرحوم نے انہیں دس ہزار روپے دیئے تھے اس کے لئے آپ کا نہایت ممنون رہوں گا۔ جو شخص خود اس کردار کا ہو وہ دوسروں کی عیب جوئی کرے حیرت کی بات ہے۔ مگر میں نے صبر کرلیا اور معاملہ اس کے سپرد کردیا جو منتقم حقیقی ہے انصاف کرتا ہے ظلم نہیں کرتا و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون٥

[نثار احمد فاروقی بنام انیس ۱۴/۷ جولائی ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں کے مکتوبی اقتباسات بجنسہٖ شائع کر کے آپ نے ایک چھوٹا نہیں بڑا کام کردیا۔ دو چار ایک اسی مزاج کے مدیر میدان میں اتر آئیں تو اردو کے مزاج میں برسوں سے رچی بسی منافقت ڈھل کر صاف ہو جائے۔

[انیس بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

''سید انیس شاہ جیلانی کا ''لطیف الزماں خاں بقلم خود'' بھی خاصے کی چیز ہے۔

[ناصر رضوی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

مئی ۱۹۹۱ء کے پرچے میں انیس شاہ جیلانی کے نام لطیف الزماں کے خطوط کے طویل اقتباسات سے مرتب ہونے والی شخصی کہانی پڑھ کر مناسب سمجھا کہ آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراؤں کہ اس سے لطیف الزماں کی کردار شکنی کا زاویہ نمایاں ہوتا ہے۔ خان صاحب نے یہ خطوط ذاتی حیثیت میں لکھے اور لکھتے وقت جیلانی شاہ کے اعتبار کو ملحوظ نظر رکھا۔ یہ خط اشاعت کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔ شاہ صاحب کو اگر ان کی اشاعت مقصود تھی تو اس کے لئے انہیں لطیف الزماں خاں سے اجازت لینی چاہئے تھے اور اس کا ذکر اس مضمون کے دیباچہ میں کرنا چاہئے تھا۔ یہاں نثار احمد صاحب کے اس قسم کے خطوط کا حوالہ اس لئے ضروری نہیں کہ ان کی اشاعت کے بارے میں لطیف الزماں صاحب کا حسن عمل ''طلوع افکار'' میں سامنے آچکا ہے۔ لیکن یہ ایسی مثال نہیں جس کی انیس شاہ جیلانی پیروی کرتے۔ اس متاع گراں مایہ کو شاہ صاحب اگر لطیف الزماں کی زندگی میں صرف

اپنے پاس محفوظ رکھتے تو شاید زیادہ مناسب ہوتا۔ ان کا یہ عمل مجھے اس لئے بھی اچھا نہیں لگا کہ خطوط کے اقتباسات سے خان صاحب کی یک طرفہ اور منفی تصویر مرتب ہوتی ہے۔ جب کہ میرا خیال ہے کہ لطیف الزماں خوبیوں اور خامیوں کا دلآویز مرقع ہیں۔ ان کی غالب دوستی بے مثال ہے۔ اِن کی رشید احمد صدیقی سے عقیدت بھی لاجواب ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی شخصیت بتانے کی بجائے غالب اور صدیقی صاحب سے عقیدت پر قناعت کی اور انہیں باندازِ دگر منظرِ عام پر لانے میں اپنی زندگی کا قیمتی حصہ صرف کیا ہے۔ اس کے لئے وہ بے پناہ داد کے مستحق ہیں۔ ان کی ذاتی کمزوریوں پر یہ خوبیاں مجھے غالب نظر آتی ہیں۔ ادب میں ان کی لگن غیر معمولی ہے۔ اِن کی پسند اور ناپسند بھی شدید ہے۔ چنانچہ ان کے معاصرین خوش ہونے کے بجائے ان سے ناراض رہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ عام دنیاداروں کی طرح لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے اور اپنا تاثر بیان کرتے ہیں تو اس کے نتائج بھی بھگتتے ہیں، شاہ صاحب اگر اس شخصیت کا خاکہ لکھتے تو یہ ایک چیزے دیگر ہوتی۔ لیکن اب ان خطوط کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہاگ نجی خطوط میں بھی ڈپلومیسی سے کام لیں گے اور سچ کو زبان پر نہیں آنے دیں گے۔ نقصان کس کا ہوا؟ جیلانی شاہ کا یا پوری ادبی دنیا کا؟

یہ تاثر میرا ذاتی ہے لیکن میں اس میں "طلوعِ افکار" کے قارئین کو شریک کرنے کا آرزومند ہوں تاکہ ذاتی خطوط کی اشاعت سے قبل اُدبائے کرام مکتوب نگار سے اشاعت کی اجازت ضرور حاصل کرلیا کریں۔ (ادارۂ طلوعِ افکار اپنے طور پر اس باب میں لطیف الزماں خاں سے رجوع ہوا تھا۔ مدیر)

(۱۰۵) [انور سدید بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوعِ افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں خاں صاحب اور توفیق احمد امروہوی کے سلسلے کا وہ مقالہ جو جناب نثار احمد فاروقی نے تحریر کیا تھا وہ میں نے پڑھا۔ اتفاق سے جلال الدین صاحب جو اس رزمیہ دیوان غالب بخط غالب کے ایک ہیرو یا ویلن ہیں وہ بھی الٰہ آباد میں رہتے ہیں اور

میرے شاگرد بھی رہ چکے ہیں۔ 'طلوع افکار' کا وہ پرچہ جلال صاحب لے گئے غالباً وہ بھی کچھ معروضات آپ کی خدمت میں بھیجیں گے۔

[عقیل رضوی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی جولائی ۱۹۹۱ء]

کسی اور پرچے میں آپ نے کسی لطیف الزماں خاں کے بہت سے خط چھاپے ہیں جن میں نثار احمد فاروقی اور بہت سے معاصرین کے بارے میں دل آزار باتیں ہیں۔ لطیف الزماں صاحب کی ادبی اہمیت سے میں واقف نہیں لیکن اگر ان کے خط اتنے اہم سمجھے گئے کہ شائع ہوں تو ان لوگوں کا جواب بھی ساتھ شائع ہونا چاہیے تھا جن کے تذکرے ان خطوط میں ہیں۔

[لطیف الزماں خاں صاحب کے مضمون ''دیوان غالب بخط غالب'' کا جواب جب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کے قلم سے کتاب نما میں شائع ہوا تو ہم نے کتاب نما کے شکریہ کے ساتھ اس مضمون کو اپنے یہاں نمایاں طور پر نقل کیا تھا۔ لطیف الزماں خاں صاحب کے انیس شاہ جیلانی کے نام خطوط ''لطیف الزماں خاں بقلم خود'' کی طلوع افکار میں اشاعت کا غالباً زیادہ فائدہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب کو ہوا۔ کردار کشی کو ہم بھی برا سمجھتے ہیں لیکن حقائق سے چشم پوشی کی قیمت پر یہ سودا نہیں کرتے۔ اگر جواباً موصول ہونے والی تحریر شائع نہ کریں تو قصوروار۔ (مدیر)]

[شمس الرحمٰن فاروقی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی ستمبر ۱۹۹۱ء]

لطیف الزماں کے خطوط (مئی طلوع افکار) میں پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ یہ نجی خطوط ہیں امید ہے انیس شاہ جیلانی نے لطیف الزماں خاں سے اجازت لے کر ان کی اشاعت کرائی ہوگی۔ ان خطوط کو پڑھنے کے بعد میں اپنی رائے واپس لینے پر مجبور ہو گیا

ہوں اور اب خطوط نگار سے التماس ہے کہ گل فروشوں کی خرمستیوں سے مزید پردہ اُٹھائیں۔

[مصطفیٰ کریم بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوعِ افکار کراچی، ستمبر ۱۹۹۱ء]

جناب انور سدید کے ارشادات نظر نواز ہوئے، جو لوگ احمد ندیم قاسمی کو ناکوں چنے چبوا چکے ہوں، ہم کیا تاب لا سکتے ہیں، تاہم یہ تو کہہ سکتا ہوں، ہماری زبان اور قلم سے جو کچھ نکل جاتا ہے وہ ہمارا رہتا کب ہے وہ تو مشترک سرمائے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ ہم اتنے چھوٹی موٹی ہو کر کیوں رہ گئے ہیں بلکہ ہم چھوٹی موٹی ہی چلے آ رہے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر پوری پوری سطریں اڑا کر نقطے لگا دینے کی روش تو گویا روزِ ازل سے چلی آ رہی ہے۔ انور سدید صاحب پورے پورے صفحے بلکہ مکمل خط گول کرنے کی دھن میں ہیں، خط مکتوب الیہ کی ملکیت ہوتے ہیں۔ مکتوب نگار حق ملکیت کیوں کر جتا سکتا ہے اور اس تکلف اور بدتہذیبی میں کون پڑے گا اس سے پوچھتا پھرے گا، اگر ایسا ہی ہے تو قلم کو لگام دینا صاحب قلم کا کام ہے۔ بے لگامی کی ایک حد تک ضرورت پڑتی تو رہتی ہے اور یہ کردار کشی کا یہاں کیا قصہ ہے۔ لطیف الزماں خان ہیں خانم تو نہیں وہ۔ مردانہ اور ادیبانہ کردار کشی سے ایک خاص شغف خاں صاحب کو بھی ہے اور وہ اس میں خطرناک حد تک بیباک ہیں۔ ایک گفتگو یہ بھی ہے کہ ہم یورپ کے ہم پلّہ ادبی اور سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے کیوں نہیں ہیں۔ بھائی آپ کے ہاں تحریر اور تقریر پر پہرے ہی اتنے ہیں۔ استفادے کی راہیں مسدود ہیں۔ یورپی، فرانسیسی، چینی، روسی رسائل و جرائد اور کتب میں آپ کو فحاشی اور عریانی ہی نظر آتی ہے۔ کوئی سی اچھی بات بھی تو پائی جاتی ہوگی۔ ہم ایک ڈبیہ میں بند قوم ہیں، بالکل کنوئیں کے مینڈک، وہ بھی کبھی کبھار سورج کی روشنی کا مزہ چکھ لیتا ہوگا۔ ہمارا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ جہاں قدم قدم چوہدری محمد حسین اب بھی موجود ہیں جنہیں منٹو جیسا رگِ جاں سے قریب کا قلم کار لفنگا ہی نظر آتا رہا۔ زندگی بھر جب تک جیے منٹو پر ایک نہ ایک عذاب مسلط کر دینے کا ثواب کماتے رہے۔ ایک اور بات بھی لطف سے خالی کیوں رہی ہوگی اقدار اور

اخلاق کے پیمانے ہمارے ہی مرتب کردہ ہیں وہاں تو یہ تھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خود پیغام حضور ﷺ کے نام بھجوا کر حقِ منا کحت ادا کیا اور یہاں کہیں ہماری بہن بیٹی کچھ اس قسم کا اظہار کر گزرے تو اکثر و بیشتر بقول شاہد احمد دہلوی بھٹہ سی گردن اُڑا دی جاتی ہے۔ یہیں کے وہ غیور لوگ جو بات پرلٹھ لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لندن پہنچتے ہی اپنی بہو بیٹیوں کے بوائے فرینڈ کو بخوشی برداشت کر لیتے ہیں اس کا مطلب ہے اچھائی برائی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں کی برائی یہاں کی اچھائی اور یہاں کی خوبی وہاں خرابی میں بدل جاتی ہے۔ فاصلے سمٹ چکے ہیں۔ ڈش انٹینا بھی اب کے دن کا مہمان ہے نیو ورلڈ آرڈر سے بچ نکلنا اب کس کے بس کی بات ہے۔ چوکی پہرہ اب کہیں کام نہیں دینے کا۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچی اور یہاں فضول کے قصوں میں ذہنی تحفظات کی مصیبتوں میں الجھا یا گیا ہوں۔ قوتِ برداشت کا فقدان ہے۔ ہم فکر و نظر کے تبادلوں میں بے حد ذلیل اور بخیل ہیں۔ خط و کتابت ہو مضمون نویسی ہو اس میں انور سدید صاحب کہتے ہیں لوگ ڈپلومیسی کریں گے بالفاظ دیگر منافقت کریں گے۔ مگر کیوں؟ اب تو ہم صدیوں کا سفر طے چکے گئی لپٹی رکھے بغیر لکھنے کی طرح کیوں نہ ڈالی جائے وہاں تو عورتوں تک نے اپنے جنسی تجربات بھی پوری سچائی (ایمانداری نہیں) سے بیان کر دیئے اور یہاں علمی ادبی عام معاملات میں طرح طرح کی ازچنیں ہیں۔ اصل بات ہمت حوصلہ اور ظرف و نظر کی ہے۔ اپنے ہاں تو ایک ہزار صفحے کی حیات شبلی میں عطیہ کہیں گھسنے نہیں پائیں اور باقی رہے اقبال تو وہ بیچارے فرشتہ بنے ہوئے ہیں' کیا کریں زیادہ حد ادب۔

[انیس بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی ستمبر ۱۹۹۱ء]

طلوع افکار ملتا ہے مگر پابندی سے نہیں ملتا یعنی جس شمارہ کو مجھ تک پہنچنا چاہئے وہی نہیں آتا۔ آپ نے کسی شمارہ میں سید انیس شاہ جیلانی کا مضمون چھاپا ہے وہ مجھے نہیں بھیجا۔ کسی شخص کے بارے میں بھی کوئی الزامی بات لکھی جائے تو اس شخص سے جواب دعویٰ

نہ بھی طلب کریں۔ اطلاع تو دینی چاہئے۔ اس مضمون کے بارے میں بھی نہایت اختصار کے ساتھ اپنا بیان بھیجوں گا اسے شائع کرنا نہ کرنا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

[نثار احمد فاروقی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی اکتوبر ۱۹۹۱ء]

طلوع افکار کے تازہ شمارے میں ہکلے فاروقی کا خط شائع ہوا ہے یہ صاحب انگریزی کا مطالعہ بہت کرتے ہیں دشمنوں نے ان کے بارے میں یہی ہوائی اڑا رکھی ہے اور اسی لئے انگریزی نام ہکلے فاروقی رکھا گیا ہے ان کے کچھ احباب انہیں بکلے فاروقی کہتے ہیں (Buckley) ان کے علم وفضل کا یہ حال ہے کہ آپ نے عالم وجد میں نعرہ بلند فرمایا کہ احمد مشتاق لاہوری (یہ صاحب واقعی ہکلے ہیں اور اردو کے ہکلے ہیں فاروقی کی طرح انگریزی کے ہکلے یا بکلے نہیں ہیں) فراق گورکھپوری سے بڑا شاعر ہے۔ فراق صاحب کا تو کچھ نہ بگڑا غریب احمد مشتاق کا جینا حرام ہو گیا اور یار لوگوں نے ٹی ہاؤس لاہور میں بیٹھنا دوبھر کر دیا۔

میں تو گوشہ نشین تھا اور ہوں آپ کے خطوط کے اقتباسات شائع کر دیئے میرا کیا قصور۔ جس کا جیسا چہرہ تھا وہی سامنے آیا میرے محترم اور آپ کے ممدوح جناب نثار احمد فاروقی کی تصویر اگر میرے الفاظ سے بن گئی اور آپ نے شائع کرا دی تو میرا نام کیوں لیا جائے۔ فوٹو گرافر جب تصویر بناتا ہے تو اس میں رد و بدل نہیں کر سکتا میں دل آزاری کا نہیں دلداری کا قائل ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ حقیقت ہمیشہ تلخ ہوتی ہے میں نے جس شخص کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے بہت غور و خوض کے بعد تجربہ اور مشاہدہ کے بعد رائے قائم کی ہے۔

(Haukley) ہکلے فاروقی عرف بکلے فاروقی کو ڈاکٹر محمد حسن صاحب کے مضمون میں "غلط بیانیاں" نظر آ گئیں کلیہ یہ ٹھہرا کہ جن صاحب کے بارے میں مضمون یا خط شائع ہو پہلے ایڈیٹر صاحب اس کا عکس متعلقہ شخص کو بھیجیں اور پوچھیں کہ کیوں صاحب میں یہ

مضمون یا خط شائع کردوں اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ پھاڑ کے پھینک دے۔

[لطیف الزماں خاں بنام انیس ۲۶/اکتوبر۱۹۹۱ء]

یاری ہماری بھی تھی مرحوم طفیل سے وہ اللہ کو پیارا ہو گیا' دوستی نثار احمد فاروقی سے تھی وہ کچھ اور نکلے۔ [لطیف الزماں خاں بنام انیس ۲۰/اکتوبر۱۹۹۱ء]

(ب) اس شمارے میں ایک خط میرے دوست ڈاکٹر انور سدید کا شائع ہوا ہے۔ درباب لطیف الزماں خاں فرماتے ہیں:

(۱) خان صاحب نے یہ خطوط ذاتی حیثیت میں لکھے تھے اور لکھتے وقت انیس شاہ جیلانی کے اعتبار کو ملحوظ نظر رکھا۔ یہ خطوط اشاعت کے لئے نہیں لکھے گئے تھے۔

(۲) جب کہ میرا خیال ہے کہ لطیف الزماں خوبیوں اور خامیوں کا دلآویز مرقع ہیں۔ ان کی غالب دوستی بے مثال ہے۔ ان کی رشید احمد صدیقی سے عقیدت بھی لاجواب ہے۔ انہوں نے اپنی ادبی شخصیت جتانے کے بجائے غالب اور صدیقی صاحب سے عقیدت پر قناعت کی"۔

میرے خیال میں اس قسم کی تشویش صرف ایسے مصنفین کو ہونی چاہئے جن کے ذاتی خطوط اور مطبوعہ تحریروں میں تضاد پایا جاتا ہو۔ اب اُسے کیا کہا جائے کہ ادب میں اعتبار مکتوب نگار کا دیکھا جاتا ہے مکتوب الیہ کا نہیں۔ ہماری ادبی تاریخ شاہد ہے کہ وہی خطوط کلاسیک بنے ہیں جو ذاتی حیثیت میں لکھے گئے ہیں۔ اشاعت کے لئے لکھے جانے والے خطوط بشمول مکتوب ہٰذا اگر ادبی ہوتے ہیں بھی ہیں تو کلاسیکی نہیں بن پاتے۔

لطیف الزماں خاں نے اچھا کیا اپنی ادبی شخصیت نہیں بتائی ویسے اس کی مثال منحصر بہ فرد نہیں ہے۔ ان کی غالب دوستی بے مثال سہی طلوع افکار کے صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مشتبہ نسخۂ دیوانِ غالب کی مشتبہ دریافت کی رہینِ منت ہے۔ رشید احمد صدیقی سے ان کی عقیدت لاجواب سہی لیکن رشید احمد صدیقی کی تصانیف کی تدوین و

ترتیب کا کام ان سے بہتر پروفیسر نظیر صدیقی نے کیا ہے اور وہ بھی اپنی ادبی شخصیت کو قربان کئے بغیر۔لطیف الزماں خاں نے اپنی ادبی شخصیت کو قربان کر کے رشید احمد صدیقی سے اپنی عقیدت کا اظہار کر کے تو اچھا کیا لیکن اس طرح ان کو یہ حق کیونکر حاصل ہو گیا کہ وہ آل احمد سرور جیسے عالی مرتبت ادیب و ناقد کے لئے ''جھوٹے'' جیسا ناشائستہ لفظ استعمال کریں۔ میں تو بالکل غیر جانبدار آدمی ہوں بلکہ میرے دوست مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ تم ال احمد سرور سے اختلاف کر کے ناقد بن گئے ہو مگر میری نسل کا کون سا ناقد ہے جو آل احمد سرور کے قرض سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ایسا لکھنے والا (لطیف الزماں خاں) کیا ڈاکٹر انور سدید کی توجہ کا مستحق ہے کہ ''عام دنیا داروں کی طرح لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے''! اگر لوگوں کو خوش رکھنے کا فن نہیں جانتے تو ذاتی خطوط کی اشاعت پر اتنا واویلا کیوں؟ ابتدا لطیف الزماں خاں نے کی تھی۔نثار احمد فاروقی بالکل حق بجانب تھے اپنے مقروض کے خطوط کو نقل کرنے میں۔اگر بیاض غالب کو نثار احمد فاروقی نے نہیں بلکہ لطیف الزماں خاں نے جناب محمد طفیل مرحوم کے حوالے کیا تھا تو بھی اپنی ادبی شخصیت نہ رکھنے والے لطیف الزماں خاں کو نثار احمد فاروقی کی ادبی حیثیت کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔اس اصول کے مطابق جو میرے عزیز دوست ڈاکٹر انور سدید کے خط میں موجود ہے۔

[محمد رضا کاظمی بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۹۱ء]

انجمن میں شمس الرحمٰن فاروقی، انیس شاہ جیلانی اور شاہد حسین کے خطوط پرانی بحث سے مربوط ہوتے ہوئے بھی نئی بحث کے دروا کرتے ہیں۔

[شبیر احمد قادری بنام حسین انجم مطبوعہ ماہنامہ طلوع افکار کراچی نومبر ۱۹۹۱ء]

کئی سال گزرے فاروقی صاحب تشریف لائے تھے، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے پہچاننے سے انکار کر دیا۔میری ان سے لڑائی نہیں ہے ایک بات کا دکھ ہے بلکہ سینے میں داغ ہے۔نثار احمد فاروقی صاحب کو میں نے دو ہزار روپے مرحومہ خالہ

صاحب کے لئے بھجوائے تھے انہوں نے' چند روپے تو بھیجے باقی ہضم کر لئے ذرا سوچئے بیوہ اور ضعیفہ کی رقم انہوں نے ہتھیالی وہ مجھ سے کہتے ہیں ان کے لئے دس ہزار کا انتظام کر دیتا لیکن انہوں نے مرحومہ خالہ صاحبہ کے ساتھ ظلم کیا۔ دلی میں اگر وہ مل گئے تو ضرور مل لوں گا۔ ۸۹ء میں لاہور میں قاسمی صاحب کے دفتر میں مل گئے میں ان کے ساتھ گیا طفیل صاحب مرحوم کے گھر ساتھ کھانا کھایا مگر وہ میرے مضمون کو برداشت نہیں کر سکے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا۔ بیگم طفیل سے تردید نہیں کرا سکے کہ انہوں نے مرحوم طفیل صاحب سے میری اور بیگم طفیل کی موجودگی میں انیس ہزار روپے لئے اس میں سے چھ ہزار مالک مخطوطہ کے اور آٹھ ہزار مالک رام صاحب کے لئے تھے 'کسی کو ایک پیسہ نہ دیا' میں نے جب یہ سب کچھ لکھ دیا تو وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔

[لطیف الزماں خاں بنام انیس ۱۳/نومبر ۱۹۹۱ء]

میں نے اپنے ذرائع سے عکس حاصل کئے اور طفیل بھائی کو دیئے محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے بھی مخطوطہ کی زیروکس میرے لئے اپنے چچا کو بھیجی جو میں خود جا کر ان کے گھر سے لایا مگر اس وقت تک نقوش غالب نمبر ۲ "بیاض غالب بخط غالب" کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔

اگر فاروقی صاحب طفیل صاحب مرحوم کو عکس بھیجنا ہی چاہتے تھے تو براہ راست بھیج سکتے تھے انہوں نے کبھی ایک لفظ اپنے کسی مضمون میں نہیں لکھا وہ لکھ سکتے تھے کہ عکس انہوں نے طفیل صاحب کو فراہم کئے ان کی کتاب تلاش غالب دیکھئے اس میں ایک مضمون ہے مگر کہیں یہ نہیں لکھا کہ عکس انہوں نے فراہم کئے۔ نقوش کے تازہ شمارے میں جو خط شائع ہوا ہے اس میں بھی وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ عکس میرے لئے بھیجے ہیں۔

طلوع افکار کے تازہ شمارے میں ان کا خط شائع ہوا ہے کہ آپ نے میرے خطوط کے اقتباسات سے مضمون بنالیا اور چھپوا دیا اب وہ پھر الٹی سیدھی ہانکیں گے' وہ ایک

بات کی تردید نہیں کرسکتے نہ متعلقہ حضرات سے کرا سکے ٗہاں مجھے گالیاں ضرور دے سکتے ہیں اور میں گالیوں کا جواب نہیں دیا کرتا ورنہ ان میں اور مجھ میں فرق کیا رہے گا۔

[لطیف الزماں خاں بنام انیس ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء]

آج کل وہ یہاں آئے ہوئے ہیں اور ایسے ڈھیٹ ہیں کہ مجھ سے ملنے بھی آئے میں نے آپ کے مضمون کے حوالے سے پوچھا کہ آپ نے محمد طفیل سے کس بات کی اجرت وصول کی تھی؟ کیا یہ امانت میں خیانت اور کھلی ہوئی بے ایمانی نہیں ہے تو کہنے لگے کہ انہوں نے صرف پیش کش کی تھی۔ اس لئے جس خط کا میں نے مطالبہ کیا تھا اس کی نقل رکھنا ضروری ہے اور اس کا ایک عکس آپ جاوید طفیل کو بھی بھیج دیجئے گا۔ اب وہ مرحوم محمد طفیل تو ہیں نہیں' وہی تصدیق کرتے میرا گمان یہ ہے کہ اس شخص نے ان سے اجرت یہ کہہ کر لی ہوگی کہ مجھے بھیجی جائے گی میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسا بے غیرت انسان نہیں دیکھا جو خود جھوٹ بولے اور دوسروں کو جھوٹا بتائے۔ خود پکا بے ایمان ہو اور دوسروں کی بے ایمانی کا بھانڈا پھوڑنے کا دعوا کرے۔ یہ شخص شاید عقل سے بھی پیدل ہے اگر اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتا تو کبھی یہ گندگی نہ اچھالتا جس کا ادب سے یا علمی موضوع سے کوئی تعلق نہیں۔ خیر اللہ منتقم حقیقی ہے میں نے یہ سارا معاملہ یوم الحساب کے لئے اٹھا رکھا ہے شاید آخرت میں میرے کام آجائے۔ والوزن یومئذ الحق۔

[نثار احمد فاروقی بنام انیس ۲۵ فروری ۱۹۹۲ء]

میں تین ماہ ہندوستان میں گزار کر ۲۲/اپریل کو پہنچا جب یہاں سے گیا تھا تو ایک کرم فرما کا حکم تھا کہ دلی میں نثار احمد فاروقی صاحب سے مل لوں' دلی پہنچا تو کئی احباب مُصر ہوئے۔ چنانچہ میں فاروقی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ملنے آیا ہوں' وہ مشتعل ہوئے اور فرمایا کہ: ''انیس شاہ جیلانی سے میں نے تمام اور بجنل خطوط تمہارے منگوا لئے ہیں' تم نے طفیل صاحب سے دس ہزار روپے لئے تھے''۔

میں نے کبھی ایسا کوئی جملہ آپ کو نہیں لکھا اس لئے کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اگر ایسا جملہ میرے کسی خط میں ہوتا تو اُن اقتباسات میں ضرور ہوتا جنہیں آپ نے قطع و برید کر کے مضمون کی شکل دے دی تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ یہ ناگوار صورت حال ختم ہو لیکن اگر فاروقی صاحب آپ کا نام لے کر الزام و اتہام لگائیں گے تو مجھے اپنے بچاؤ کے لئے سوچنا پڑے گا۔ [لطیف الزماں خاں بنام انیس ۲۳/اپریل ۱۹۹۲ء]

میں ۲۱/اپریل کو دلی سے واپس آیا۔ ۲۴/اپریل کو آپ کو خط لکھا کہ دلی میں محترم نثار احمد فاروقی صاحب نے ملاقات کے دوران فرمایا کہ انہوں نے آپ سے میرے اور تیجنل خطوط منگوائے ہیں کہنے لگے کہ جو کچھ آپ نے لکھا وہ میں نے معاف کیا لیکن ایک بات معاف نہیں کر سکتا کہ طفیل سے دس ہزار روپے لئے ہیں۔ میں نے کبھی ایسی کوئی بات آپ کو نہیں لکھی اگر لکھی ہوتی تو آپ نے جو اقتباسات میرے خطوط سے شائع کئے تھے ان میں لازماً آتی۔ اب آپ مہربانی فرما کر بواپسی ڈاک لکھئے کہ اصل قصہ کیا ہے۔ پہلی بار ایسا ہوا ہے آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا اگر آپ نے اب بھی میرے خط کا جواب نہ دیا تو میں کبھی کسی خط کے جواب دینے سے قاصر رہوں گا۔

[لطیف الزماں خاں بنام انیس ۲۳ مئی ۱۹۹۲ء۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ درج گزٹ ہوا]

جس مکتوب کی نقل کے لئے میں نے لکھا تھا اس کا حوالہ آپ کا مضمون دیکھ کر پھر کبھی لکھوں گا۔ آپ کے مضمون سے یہ بہت بڑا راز فاش ہوا کہ اس ذلیل انسان نے میری بھیجی ہوئی امانت طفیل صاحب سے دس ہزار روپے لے کر ان کو دی پھر بھی مجھے چور اور جھوٹا بتا رہا ہے۔ دنیا میں بے ایمان تو بہت ہیں مگر اتنا بے غیرت اور ڈھیٹ انسان تو شاید چراغ لے کر ڈھونڈیں تو ملے گا۔ بہر حال اس سے اُسے حاصل کیا ہوا؟ چاہ کن را چاہ در پیش۔

[نثار احمد فاروقی بنام انیس ۱۱ جولائی ۱۹۹۲ء]

ایک خط میں آپ نے دیوانِ غالب کے عکس کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ

لطیف الزماں خاں نے اسے طفیل مرحوم سے کیوں چھپایا اور کیوں پیش کر دیا' بھائی میں نے لطیف الزماں خاں کی پست فطرتی کے باوجود انہیں معاف کر دیا تھا مگر آپ کے نام کا جو خط طلوعِ افکار میں شائع ہوا تھا اس سے مجھے پہلی بار یہ علم ہوا کہ اس کمینے انسان نے عکس کے لئے طفیل مرحوم سے دس ہزار روپے وصول کئے حالانکہ میں نے وہ عکس طفیل مرحوم کو بلا قیمت محض بطور ہدیہ دوستانہ بھیجے تھے اور انہیں یہ لکھا تھا کہ انہیں استعمال کر کے فوٹو لطیف الزماں کو دے دیئے جائیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ شخص اتنا گھٹیا ہے' کاش یہ بھانڈا طفیل مرحوم کی زندگی میں پھوٹ گیا ہوتا۔ یہ شخص دہلی آیا تھا یہاں تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی مگر اب میں نے اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے آخرت پر اس کا ایمان نہ ہوگا مگر الحمدللہ میرا ایمان ہے کہ وہاں سب حساب کتاب صاف ہو جائے گا۔ [نثار احمد فاروقی بنام انیس' ۱۵/دسمبر ۱۹۹۳ء]

کیا کتاب لکھی ہے آپ نے کہ پڑھنا شروع کریں تو ہاتھ سے چھوٹتی نہیں کئی[1] خاکے ایک ہی نشست میں پڑھ لیے کچھ پس انداز کر لئے پڑھ کر مزہ آیا چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی تیکھی باتیں کہی گئی ہیں اس ملتانی کتے کا خاکہ بھی لکھئے تا کہ سرمایہ عبرت اور سرمۂ بصیرت ہو۔ [نثار احمد فاروقی بنام انیس' تاریخ حصول ۲۷/جون ۱۹۹۴ء]

تیسرا خط ۳/دسمبر ۱۹۹۵ء کا ابھی ۱۵-۲۰ دن قبل ملا ہے جس میں آپ نے دیوانِ غالب (نسخۂ امروہہ) ایڈٹ کرنے کی بشارت دی ہے' مبارک ہو۔ مگر میرے بارے میں اس میں جو کچھ لکھا جائے وہ اگر مجھے اشاعت سے قبل دکھا لیں تو اخلاقاً بہت اچھا ہوگا۔ جہاں تک ملتانی خنزیر کا تعلق ہے میں اسے اتنی اہمیت دینا غلط سمجھتا ہوں کہ دیوانِ غالب کی بحث میں اُس کا نام آئے آگے آپ کو اختیار ہے۔

[نثار احمد فاروقی بنام انیس' ۲۶/فروری ۱۹۹۶ء]

---

1 یہ میرے تحریر کردہ خاکوں کے مجموعے "آدمی غنیمت ہے" کا ذکر ہے لیکن یہاں کراچی کے بقراط مبین مرزا تو کہتے ہیں تم کیا جانو خاکہ نگاری۔ انیس ۲۰۱۲ء۔

دیوانِ غالب بخطِ غالب

(رُوداداشاعت)

جاوید طفیل

غالباً جنوری ۱۹۸۹ء میں محترم لطیف الزماں خان ملتان سے لاہور تشریف لائے اور حسبِ سابق ہمارے ہاں ٹھہرے۔ انہوں نے اپنے قیام کے دوران اپنا ایک مضمون "دیوانِ غالب بخطِ غالب" (روداداشاعت) مجھے عنایت فرمایا تھا۔ میں نے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اس کی اشاعت کے سلسلہ میں اپنی معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ جناب لطیف الزماں خان کا وہی مضمون بعد میں "طلوعِ افکار" کراچی کی زینت بنا اور یوں سوال و جواب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اگرچہ یہ بات میرے لئے خوشگوار نہیں ہے کہ ایسے معاملات زیرِ بحث آئیں جو دوستوں کے درمیان رہے ہوں لیکن اب صورت حال کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف جناب لطیف الزماں خان مورچہ زن ہیں اور دوسری طرف جناب نثار احمد فاروقی جوابات داغ رہے ہیں۔ مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ والدِ محترم کے دو دوست اس فضول بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔ تحریری جنگ اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ مجھے اپنی خواہش کے برعکس خطوط کا وہ خزانہ کھنگالنا پڑا جو مجھے ورثہ میں ملا تھا۔

جناب لطیف الزماں خاں کے ارشادات سے متعلق اہم نکات میں نے اُن کے مضمون سے لئے ہیں جو "طلوعِ افکار" میں چھپا تھا۔ میرا انتخاب صرف اُن نکات پر مبنی ہے جن کا تعلق "دیوانِ غالب بخطِ غالب" سے ہے۔

جناب نثار احمد فاروقی صاحب کا موقف مضمون کی طوالت سے بچنے کے لئے پیش نہیں کیا جا رہا کیونکہ اُن خطوط کے چھپنے کے بعد جو اس مضمون کا حصہ ہیں میرے خیال میں

جناب نثار احمد فاروقی کا موقف چھاپنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

خطوط میں سے پہلا خط جناب نثار احمد فاروقی کا ہے جو والد محترم کے نام ہے اور بقیہ تمام خطوط وہ ہیں جو کہ جناب لطیف الزماں خاں نے ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' کے سلسلے میں جناب نثار احمد فاروقی کو لکھے تھے۔ وہ تمام خطوط جن کا تعلق بیاض غالب سے ہے۔ قارئین اور مستقبل کے مؤرخ کی نذر ہیں تا کہ وہ ان کی روشنی میں اپنی درست رائے مرتب کر سکیں۔ میں نے یہ ناخوشگوار کام اس لئے سرانجام دیا ہے تا کہ نقوش ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' سے متعلق معاملات کے سلسلہ میں ہم سچ تک پہنچ سکیں اور اس طرح یہ ناخوشگوار بحث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

دیوانِ غالب بخطِ غالب

(روداد اشاعت)

از: لطیف الزماں خان

* ۱۵/اپریل ۱۹۶۹ء کو توفیق احمد قادری امروہوی نے بھوپال کے ایک کتب فروش شفیق الحسن سے بیاض غالب کو گیارہ روپے میں خریدا اور ۱۷/اپریل ۱۹۶۹ء کو روزنامہ الجمعیت دہلی میں اشتہار دیا کہ اس کے پاس غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان موجود ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار روپے ہے۔ ۱۷/اپریل ۱۹۶۹ء کو ہندوستان میں شائع ہونے والے کئی زبانوں کے اخبارات میں بڑی تفصیل سے یہ خبر شائع ہوئی کہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا مسودہ جس میں تقریباً ایک ہزار اردو غزلیات، ۱۳ فارسی کی اور گیارہ رباعیات اردو کی موجود ہیں دریافت ہوا ہے۔
* میں نے اپنے ایک عزیز کو جو علی گڑھ میں مقیم تھے لکھا کہ وہ میرے لئے ''دیوانِ غالب بخطِ غالب'' خرید یں۔

* میں یک روز لاہور گیا میرا قیام طفیل مرحوم (مدیر نقوش) کے گھر ہوتا تھا اس دن طفیل صاحب دن بھر مغموم رہے۔ سہ پہر کو کہیں نہ گئے۔ گھر پہنچے۔ کھانا کھایا۔ رات گزرتی رہی۔ طفیل صاحب نے بات کر کے نہ دی۔ جب رات کے دو بج گئے تو میں نے مرحوم سے کہا "قصور نہ بتایئے صرف معاف کر دیجئے میرا خیال تھا نادانستگی میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ طفیل صاحب نے تکیہ کے نیچے سے ایک خط نکال کر دیا یہ اکبر علی خاں کا خط تھا۔

* میں نے خط پڑھ کر کہا "یار طفیل صاحب آپ کی خاموشی نے تو میرا دم ہی نکال دیا تھا۔ صبح سے چپ سادھ رکھی ہے۔ بول کر نہیں دیتے۔ ہٹایئے اس خط کو میں آپ کو یہ دیوان فراہم کر دوں گا۔

* جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے عزیز نے "دیوان غالب بخط غالب" نہیں خریدا تو میں نے انہیں نہایت سخت اور درشت لہجے میں خط لکھا۔ وہ دتی گئے تین دن کی تلاش جستجو کے بعد وہ اُس شخص کے پاس پہنچ گئے جس سے اکبر علی نے دیوان غالب کے فوٹو سٹیٹ بنوائے تھے اور اسے ایک پیسہ نہیں دیا تھا۔ فوٹو گرافر کو اخبارات کے ذریعے یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ قیمتی چیز ہے اُن صفحات کو میرے عزیز نے منہ مانگے داموں خریدا اور ایک بڑی بی کے ہمراہ مجھے بھیج دیا۔

* جب مجھے فوٹو سٹیٹ ملے تو میں انہیں لے کر لاہور پہنچا لیکن طفیل صاحب کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ میں یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سید باقر رضوی صاحب سے ملنے چلا گیا۔ وہاں پر ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی تشریف فرما تھے۔ باقر صاحب نے مجھے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا۔

* فرمان بھائی' یہ غالب کا دیوانہ ہے۔ اس کی اٹیچی کھولیے ضرور غالب پر کوئی تحریر ملے گی۔ ہم تینوں دیر تک ہنستے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اور فرمان صاحب اسٹیشن کے لئے تانگہ میں سوار ہوئے۔ راستہ میں فرمان صاحب نے پوچھا: "کیا باقر صاحب کا اندازہ

ٹھیک ہے۔ کیا اٹیچی میں غالب پر کوئی تحریر ہے؟" میں نے اٹیچی میں سے لفافہ نکالا اور "دیوانِ غالب بخطِ غالب" کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دکھائیں۔ وہ بہت حیرانی اور استعجاب سے ان اوراق کو دیکھتے رہے۔ باقر صاحب کو داد دی اور پوچھا "اب کیا ارادہ ہے؟ میں نے اُن سے کہا کہ میں نے طفیل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ میں یہ دیوان انہیں فراہم کروں گا وہی اسے شائع کریں گے۔

* میں نے دوسرے دن طفیل صاحب کو فون کیا اور اطلاع دی کہ جس چیز کی آپ کو تلاش تھی وہ آ گئی ہے۔ طفیل صاحب نے کہا "تم آتے ہو یا میں آ ؤں؟"

میں نے عرض کیا "آپ ہی آ جائیے میں تو کل واپس آیا ہوں اور ہر روز چھٹی نہیں مل سکتی"۔

* طفیل صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے بعض احباب کو مدعو کیا کہ طفیل صاحب کے ساتھ وہ بھی کھانا تناول فرمائیں جو حضرات بی/۱۳۹ گل گشت ملتان میں جمع ہوئے۔

۱ پروفیسر نذیر احمد شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج ملتان
اب (سیکرٹری مقتدرہ قومی زبان' اسلام آباد)

۲ مسعود اشعر ریذیڈنٹ ایڈیٹر امروز' ملتان
اب (۱۳/ رچنا بلاک اقبال ٹاؤن' لاہور)

۳ سلطان صدیقی ایڈووکیٹ ملتان

۴ ایک یونیورسٹی کلرک

* دوپہر کے کھانے کے بعد چاروں حضرات کی موجودگی میں وہ لفافہ طفیل صاحب کے سامنے رکھ دیا جس میں فوٹو اسٹیٹ تھے۔

* اب میں اور طفیل صاحب پھر باتیں کرنے لگے "خطِ شکستہ کو پڑھے گا کون؟

طفیل صاحب نے پوچھا۔

٭ میں نے کہا اس کو میں خوش خط لکھ دوں گا آپ لاہور پہنچ کر اس کی اشاعت کا انتظام کیجئے۔

٭ ایک دن طفیل صاحب کا فون آیا کہ وہ تلاش غالب میں شامل ''دیوانِ غالب بخط غالب'' کی دریافت کی کہانی نقوش کے اس شمارے میں چھاپنا چاہتے ہیں جس میں دیوانِ غالب شائع ہونے والا تھا۔ ظاہر ہے نثار احمد فاروقی نے یہ مشورہ انہیں دیا ہوگا ورنہ طفیل صاحب کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ ''تلاش غالب'' میں چھپوا رہا تھا اور یہ کہ دریافت کی کہانی فاروقی بھجوا چکے ہیں۔

٭ نثار احمد فاروقی کا مضمون ''دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ'' میں نے پریس سے حاصل کر کے طفیل صاحب کو دیا۔ رات کو حسبِ معمول میں اور طفیل صاحب دیر تک باتیں کرتے رہے۔ تب معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب نے یہ درخواست کی ہے کہ ان کا مضمون نقوش میں ضرور شامل کیا جائے۔

٭ طفیل صاحب نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معہ نو دریافت بیاضِ غالب شمارہ نمبر ۱۱۳/اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع کر چکے تھے کہ ایک روز نثار احمد فاروقی کے چچا ابرار احمد فاروقی صاحب کا خط پہنچا کہ لاہور آ رہا ہوں۔ یہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کا آخری ہفتہ تھا۔ میں ان کے گھر کے ۵۶ پرانی انارکلی لاہور پہنچا تو ابرار احمد فاروقی صاحب نے ''دیوانِ غالب بخط غالب'' کے فوٹو اسٹیٹ اور ایک فلاسک جس پر غالب کے اشعار معوّذ کئے گئے تھے اور جس کی نقل بعد میں لاہور میں کسی نے تیار کی۔ دونوں چیزیں میرے سپرد کیں۔

٭ نقوش غالب نمبر (حصہ دوم) معہ نو دریافت بیاضِ غالب بخط غالب کا ایک نسخہ چھپنے کے بعد طفیل صاحب نے مجھے بھیجا اور پہلے صفحے پر لکھا تھا:

برادرم لطیف الزماں خان صاحب کی خدمت میں

جن کا عشق

اس نمبر کے چھاپنے میں بہت کام آیا

محمد طفیل

دہلی کالج، اجمیری گیٹ، دہلی ۔ ۲ نثار احمد فاروقی بنام محمد طفیل

۲۷/ستمبر ۱۹۶۹ء

برادر مکرم۔ تسلیمات۔ میں نے دو ماہ قبل آپ کو خط لکھا تھا کہ اگر آپ دہلی تشریف لا سکیں تو میں کوشش کروں گا کہ دیوان کا عکس آپ کو مل جائے اور اس کی مجھے امید تھی۔ لیکن ظاہر ہے جو چیز میری اپنی نہیں ہے اس کے لئے میں قطعی وعدہ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پا کر آپ ویزہ کے لئے درخواست بھیج چکے ہیں۔ میں منتظر رہا کہ آپ آج آئیں۔ کل آئیں ___ مگر آپ نے پھر خاموشی اختیار کر لی۔ خدا جانے آپ نے کیا سوچا ہوگا۔ اگر ذہن میں کوئی غلط فہمی ہے تو وہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی جب تک آپ سے ملاقات نہ ہو اور اس دیوان کا قصہ اتنا طویل ہے کہ میں لکھ نہیں سکتا۔ پورا دفتر درکار ہے۔ یہ تو کبھی زبانی ہی سنایا جا سکتا ہے۔ مختلف حضرات مالک کو بہکانے اور بے وقوف بنانے میں پوری طرح سرگرم عمل ہیں اور بعض نے تو سطحی اخلاق اور پست کرداری کا مظاہرہ کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کی۔ میرا ابتدا سے یہ خیال تھا' بلکہ خواہش تھی کہ کسی طرح اس کی نقل یا عکس آپ تک پہنچ جائے لیکن میں آپ کی ملاقات مالک سے کرانا ضروری خیال کرتا تھا۔

بہر حال اب صورت حال یہ ہے کہ میں نے نقوش کے غالب نمبر حصہ دوم کے لئے وہ عکس حاصل کر لیا ہے۔ میں تین ہفتے کے لئے حیدر آباد چلا گیا تھا اور ابھی ۲۳ کو واپس آیا ہوں۔ اس سفر سے پہلے کوئی ایسا جانے والا نہیں ملا جس کے ہاتھ بھیج دیتا۔ اب میرے ایک بزرگ عزیز یہاں سے پہلی تاریخ کو روانہ ہو کر دوسری کو لاہور پہنچیں گے۔ انہیں میں نے عکس دے دیا ہے اور آپ کا پتا بھی بتا دیا ہے۔ یہ میرے چچا ہیں۔ آپ سے وہ گھر پر یا

نقوش کے دفتر آ کر ملیں گے اور دیوان کا عکس آپ کو دے دیں گے۔اس کے صفحات کے نمبر ہر عکس کی پشت پر موجود ہیں آپ اُسی ترتیب سے اُسے جمع کر کے صرف عکس چھاپ دیجئے اور ابتداء میں ایک صفحہ پر "دیوانِ غالب نسخۂ امروہہ" لکھ کر نیچے "عطیہ" اور میرا نام لکھوا دیجئے۔ یہاں دو حضرات نے اس کا عکس اور حاصل کر لیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے غالب نمبر حصہ دوم میں پہلے چھاپ دیں۔ کتابی صورت میں یہ بعد کو شائع ہو گا۔اشاعت کے بعد یہ تصاویر آپ لطیف الزماں خاں صاحب کو دے دیں۔ یہ دراصل انہی کے لئے ہیں۔جب یہ عکس آپ کے قبضے میں آ جائیں تو آپ مجھے فوراً مطلع کریں اور یہ بھی ضرور بتائیں کہ غالب نمبر حصہ دوم کب تک مارکیٹ میں آ جائے گا۔

آج کل حکومت پاکستان نے کتابوں اور رسالوں کی برآمد پر پابندی لگا دی ہے اس لئے پاکستان کا کوئی اخبار یا رسالہ یہاں دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے۔آپ یہ پرچہ رجسٹری سے لطیف الزماں صاحب کو بھیج دیا کیجئے۔وہ محفوظ رکھیں گے اور جب یہ قانونی دشواریاں دور ہوں گی میرے پاس بھجوا دیں گے۔

اس خط کے جواب کا سخت انتظار رہے گا۔ چچا صاحب آپ سے دوسری یا تیسری اکتوبر کو ملیں گے۔جس دن وہ ملیں اسی دن خط لکھ دیجئے گا۔

والسلام

نثار احمد فاروقی

نوٹ: براہِ کرام غالب نمبر حصہ ۲ کی اشاعت سے پہلے عکس کے حصول یا نمبر میں شمول کا حال سختی سے صیغۂ راز میں رکھئے گا۔وہاں کے ادبی حلقوں میں یہ پہلے سے معلوم نہ ہو۔اس کی بہت زیادہ تاکید ہے۔

لطیف الزماں خان بنام نثار احمد فاروقی

لطیف الزماں خان
ایم اے
لیکچرار شعبہ انگریزی
گورنمنٹ کالج۔ملتان

۱۸/اکتوبر ۱۹۶۹ء۔دس بجے شب

محب گرامی۔سلام مسنون۔مدت سے آپ نے یاد نہیں فرمایا۔ہر لمحہ آپ کے کرم نامہ کا منتظر ہوں۔میں نے آپ کو ۱۸/اگست '۲۲/اگست '۲/ستمبر اور ۶/ستمبر کو کراچی سے خطوط لکھے۔۱۹/ستمبر کو یہاں سے ایک خط لکھا۔آج تک یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ خطوط آپ کو ملے یا گم ہو گئے۔

۱۴/اکتوبر کو قبلہ چچا جان کا خط ملا کہ ۱۵/اکتوبر کو لاہور جا کر ان سے نیاز حاصل کروں۔چنانچہ حکم کی تعمیل کی اور وہاں گیا۔صبح کو ناشتہ ان کے ساتھ کیا۔مندرجہ ذیل کتب و رسائل انہوں نے عنایت فرمائیں۔

(۱) شمع حیات (غالب نمبر) (۲) شگوفہ (غالب نمبر) (۳) شاعر (غالب نمبر) (۴) اعتمادیہ حصہ اول و دوم (غالب نمبر) (۵) اردو ادب (غالب نمبر) (۶) عیار غالب (۷) جامعہ (غالب نمبر) ایک فلیک جس پر غالب کے اشعار ہیں اور عکس۔

چچا جان کے ہاں سے واپس آیا تو دن بھر نہ کہیں گیا اور نہ کوئی کام کیا۔بس اس دولت کو دیکھتا رہا کہ جس کے مقابلہ میں قارون کے خزانہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔شکریہ کا لفظ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کی ترجمانی نہ ہوگی۔اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہی اس کا اجر آپ کو دے گا۔

(۳) ولید میر صاحب سے ملا۔ نگارشات سے علیحدہ ہونے کے بعد ان کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں رہی۔ پھر ان کی پانچ یا چھ کتابیں کمپوز ہو چکی ہیں مگر پیسہ کی کمی نے سارا کام روک دیا ہے۔ سہیل صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تلاش غالب کی اشاعت پر فوراً مدد دیں گے۔ اگر انہوں نے امداد نہ کی تو پھر میں اپنے پاس سے ولید صاحب کو پندرہ سو روپیہ دے دوں گا کہ وہ کتاب کو فوراً شائع کر دیں۔ قانونی سقم بھی نہیں رہا۔ کیونکہ تلاش غالب اس قانون کے نافذ ہونے سے قبل کمپوز ہو چکی تھی۔ بہر کیف اب زیادہ وقت نہ لگے گا۔

(۴) سہیل صاحب دیوانِ غالب شائع کرنا چاہتے ہیں لیکن قطعیت کے ساتھ ابھی انہوں نے وعدہ نہیں کیا۔ ان کے اندازہ کے مطابق جس قسم کا دیوان میں شائع کرانا چاہتا ہوں اس پر کم از کم چالیس پینتالیس ہزار روپے کی لاگت آئے گی۔ کیونکہ غالب کا دیوان اگر شائع ہوگا تو نہایت شاندار۔ طباعت کا ایسا نمونہ جس کو عرصہ تک لوگ نہیں بھول سکیں گے۔

(۵) میں طفیل صاحب سے بھی ملا۔ وہ نقوش کا ایک اور غالب نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ مصوّر ایڈیشن ہوگا۔ اس نمبر میں غالب کی نایاب اور کمیاب تحریریں ہوں گی۔ گل رعنا کا اصل نسخہ لاہور میں ایک صاحب کے پاس ہے اور بارہ ہزار روپے دینے والے موجود ہیں مگر وہ صاحب بیس ہزار مانگتے ہیں۔ طفیل صاحب اس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ عکس مل جائے گا۔ پھر وہ منقش صفحات پر اسے شائع کریں گے۔

طفیل صاحب نے نسخۂ امروہہ کے عکس حاصل کرنے کے لئے پاسپورٹ اور ویزہ حاصل کر لیا تھا مگر چونکہ انہیں یقین نہ تھا کہ عکس ملیں گے یہ مسئلہ ملتوی کیا' ویزہ کا وقت نکل گیا۔

دروغ مصلحت آمیز کے لئے پروردگار عالم مجھے معاف کرے۔ میں ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں ایک بات یاد آئی کہ آپ نے میرے پیکٹ پر میرے نام کے بعد

معرفت طفیل صاحب کیوں لکھا۔ میرے پہنچنے میں اگر دیر ہو جاتی تو یقیناً چچا جان تمام چیزوں کے ساتھ عکس بھی طفیل صاحب کو دے آتے۔ وہ کھولتے دیکھتے۔ آپ کے بارے میں کیا خیال فرماتے اور میرے بارے میں کیا سوچتے۔

بہر کیف اب آپ سے ایک بات ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو عکس طفیل صاحب کو دوں تا کہ وہ نقوش کے غالب نمبر میں شامل کر لیں۔ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو دو باتیں ذہن میں رہیں ایک تو یہ کہ عکس کی ذمہ داری میری رہی۔ یعنی آپ سے طفیل صاحب شکایت نہ کر پائیں گے۔ ہاں یہ لازمی ہوگا کہ اس کے حواشی و مضمون آپ تحریر فرمائیں گے۔ مجھے چچا جان نے بتلایا کہ ۱۴/اکتوبر کو کوئی ''بچہ'' گیا ہے۔ یہ صاحب جنہیں چچا جان بچہ کہتے ہیں۔ جلد واپس آئیں گے اور وہ حواشی و مضمون لیتے آئیں گے۔

مجھے آپ صاف صاف لکھیے کہ کیا آپ اجازت دیں گے۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو پھر یہ اس وقت تک میرے پاس محفوظ ہیں جب تک غالب کا دیوان شائع کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہو جاتا۔

(۶) سہیل صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ دیوانِ غالب شائع کریں گے بشرطیکہ وہ انگلستان نہ چلے گئے۔ وہ دو سال کے لئے انگلستان جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں ان کی واپسی کا انتظار نہیں کروں گا کہیں اور بات کروں گا۔

(۷) سب رس حیدر آباد کا غالب نمبر شائع ہوا ہے۔ یہ اطلاع ملی ہے۔ اور ہاں وہیں سے ہی غالب پر مبنی مطبوعہ کتب کا حال ان اشتہارات سے معلوم ہوتا ہے جو رسائل میں ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جو صاحب اب گئے ہیں آپ ان کے ہمراہ حواشی کے ساتھ ساتھ رسائل و کتب بھی روانہ کر دیں۔

(۸) تو آج بجکش سر ٹیفکیٹ لینے خود گیا تھا۔ وہاں ایک صاحب سے جن کی اہلیہ آپ

کی شاگردرہ چکی ہیں، وہ صاحب کہتے تو تھے کہ جلد یہ سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ میں نے تو کتابیں جمع کرلی ہیں۔

(۹) عبدالقدیر صاحب نے آپ کو کون سی کتابیں دی ہیں۔ ان کے نام لکھئے۔

بھابھی جان کی خدمت میں آداب۔ میں آپ کے خط کا سخت بے چینی سے منتظر ہوں۔

کتابیں اور رسالوں کا بھی انتظار ہے اور اجازت کا بھی۔

(۱۰) ۱۶/اکتوبر کو چچا جان نے سلیمان احمد صاحب فاروقی کے مکان پر بڑی پُر تکلف دعوت دی۔

(۱۱) واضح رہے کہ جلال الدین صاحب اور دیگر حضرات سے نسخۂ امروہہ کا تمام کلام مکرم طفیل صاحب کو مل چکا ہے۔

عکس چھاپنے کی اجازت آپ دے دیں تو اُس کا حُسن دوبالا ہو جائے گا۔

جلال الدین صاحب کے مضمون پر طفیل صاحب بتلاتے تھے کہ بہت خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کیا حرج ہے اگر اصل بات معلوم ہو جائے۔ آپ مضمون بھیجئے۔

فقط

احقر

لطیف الزماں خان

لطیف الزماں خان۔ ایم۔ اے

لیکچرر شعبۂ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

مورخہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۶۹ء

گیارہ بجے شب

برادرم۔ السلام علیکم۔ شدید انتظار کے عالم میں آپ کا ۱۷ ستمبر کا مکتوب مجھے کل سہ پہر ملا۔ میں ۱۸ اکتوبر کو بھی ایک عریضہ روانہ کر چکا ہوں امید ہے ملا ہوگا۔

جلال الدین صاحب اور مسلم ضیائی صاحب کے مضامین کے تراشے آپ کو نہ ملے یعنی میرے دو خط بھی آپ کو نہ ملے ان کا دستیاب ہونا اب مشکل ہے۔ عام طور پر روزنامے کی کاپی مشکل سے ملتی ہے۔ پرمٹ تو واقعی مل گیا لیکن ابھی سٹیٹ بنک سے No Objection Certificate نہیں ملا ہے۔ یہ سرٹیفکیٹ کراچی سے ملے گا۔ اصل پرمٹ بھیج دیا گیا ہے۔ امید ہے ہفتہ عشرہ میں سارے معاملات طے ہو جائیں گے اور میں آپ کو کتب و رسائل روانہ کرسکوں گا۔ میں یہ معلوم کروں گا کہ ادبی کتب و رسائل درآمد کرنے کے لئے پرمٹ مل سکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ پرمٹ مل سکا تو آپ کو مطلع کروں گا۔

میں گزشتہ خط میں تلاشِ غالب کے بارے میں لکھ چکا ہوں کہ ولید صاحب مالی طور پر ان دنوں کمزور ہیں۔ لیکن سہیل صاحب نے مالی اعانت کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے خود ۱۶ اکتوبر کی شام ان سے گفتگو کی ہے اور یہ کو بھی ان سے اسی سلسلہ میں ملا تھا۔ میں آج ہی ولید صاحب کو خط لکھ رہا ہوں کہ اگر سہیل صاحب مدد کرتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میں خود اس کا انتظام کروں گا۔ انشاء اللہ پندرہ بیس یوم میں کتاب بازار میں آ جائے گی۔ تلاشِ غالب کے لئے اجازت کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ کیونکہ وہ قانون کے نافذ ہونے سے قبل چھپ چکی تھی۔ اب تو صرف جلد ہونا باقی ہے۔ اشاریہ البتہ اس ایڈیشن میں نہ ہوگا۔

میں نے تو آپ کو پہلے ہی لکھا تھا کہ جلال الدین صاحب نے نسخۂ امروہہ کی دریافت کا سہرا خود باندھ لیا ہے۔ مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہے کہ آپ نے اس سطح پر آنا پسند نہ کیا۔ یہ صحیح ہے کہ وہاں کے اخبارات اور رسائل اب یہاں نہیں آرہے ہیں مگر یہ بات کلیتہً درست نہیں ہے۔ آپ اگر طفیل صاحب کے پتہ پر کوئی رسالہ بھیجیں تو وہ پہنچ جائے گا۔ اسی طرح کراچی کے لوگ بھی کسٹم آفیسر سے اجازت لیتے ہیں۔ البتہ یہاں شائد رسائل نہ پہنچ

سکیں۔

وہاں آپ نے اور توفیق صاحب نے ہماری زبان میں صورت حال سے لوگوں کو واقف کرادیا۔ یہ اچھا ہوا لیکن یہ زمانہ تو پروپیگنڈے کا ہے اور جلال الدین صاحب اس سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کم از کم یہ تو کرہی سکتے ہیں کہ وہاں کے اخبارات اور رسائل میں صحیح حالات سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر آپ توفیق صاحب اور اپنا مضمون نقل کر کے (چھپا ہوا تو آنے کا نہیں) بھیج دیں تو پھر یہاں کے اخبارات و رسائل میں ان مضامین کو Reproduce کرایا جاسکتا ہے۔

یہاں آج اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ اکبر علی خان نے وہی کیا جس کا اندیشہ وزیرالحسن صاحب عابدی نے کیا تھا یعنی نسخہ کا عکس شائع کردیا ہے۔ یہاں ابھی کسی اور کے پاس عکس نہیں پہنچے ہیں۔ لیکن آپ کا یہ فیصلہ مستحسن ہے کہ یہ نسخہ وہاں بھی شائع ہو اور یہاں بھی۔ یہاں کا فکر آپ ہرگز نہ کیجئے۔ یہاں انشاءاللہ یہ نسخہ اس شان سے شائع ہوگا کہ اکبر علی خاں دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ وہاں کا اہتمام آپ خود کیجئے۔

میں چچا جان کا خط پا کر لاہور گیا تھا۔ ۱۵ اکتوبر کو انہوں نے رسائل ایک کتاب دو عکس مجھے عنایت فرمائے۔ تفصیل گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں۔ میں ۱۷ اکتوبر کی شام کو لاہور سے روانہ ہوا۔ طفیل صاحب کو اس وقت تک آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ آپ کا خط ملتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ طفیل صاحب کو ٹرنک کال پر بتلایا کہ عکس پہنچ چکے ہیں۔ اب وہ پرسوں یعنی ۱۱/۱۱ اکتوبر بروز اتوار تشریف لائیں گے اور میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عکس انہیں دے دوں گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ آپ جلد از جلد اس نسخہ کے بارے میں مضمون لکھ کر بھیجئے۔ بات کچھ یوں ہوگی کہ عکس بھیجنے کی ذمہ داری اب بھی آپ پر نہیں آنی چاہئے تاکہ توفیق صاحب کو کچھ کہنے کا موقع نہ ملے ہاں یہ بے حد ضروری ہے کہ یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال معلوم ہو جائے۔ نقوش کا معروا یڈیشن شائع ہوگا۔ صادقین اور

عبدالرحمٰن چغتائی کی نئی تصاویر سے مزین ہوگا اور ایک مستقل دستاویز۔ روزناموں کے مقابلہ پر جو مضمون نقوش میں شائع ہوگا اس کی حیثیت مستقل ہوگی۔ آپ مضمون قسط وار مجھے یا طفیل صاحب کو بھیج دیجئے۔ یعنی اگر مکمل مضمون یک بارگی نہ ہو پائے تو خطوط کی شکل میں بھیجئے۔ نقوش دسمبر میں شائع ہوگا۔ اگر کوئی صاحب آنے والے ہوں تو مضمون آسانی سے لاسکیں گے۔

اردو نامہ قومی زبان، اردو اور نقوش کے شمارے آئندہ میں جمع کرتا رہوں گا۔ جب موقع ملے گا بھیج دوں گا۔ اگر مدیر صاحبان نے بھیج دیئے تو ٹھیک ہے ورنہ خرید لوں گا۔ آپ خاطر جمع رکھیے۔

سہیل صاحب واپس تشریف لے آئے ہیں۔ وہ اگر انگلستان نہ گئے تو یقیناً دیوانِ غالب شائع کریں گے۔ ورنہ طفیل صاحب شاید خود آمادہ ہو جائیں۔ میں مجلس ترقی ادب اور دیگر اداروں سے بھی بات کروں گا۔

یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ قدیر صاحب ماہِ نو نہیں لے گئے۔ اگر آپ کے پاس زائد ہو تو بھیج دیجئے بلکہ اپنی کاپی ہی عبدالقوی صاحب کو بھیج دیجئے۔ میں بہر صورت آپ کو ماہِ نو بھیج دوں گا۔ عبدالقوی صاحب نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے۔ میں ان سے بڑا شرمندہ ہوں۔

میرا یہ پیڈ طفیل صاحب نے چھاپا ہے۔ وہ مجھے غالب کا طرف دار سمجھتے ہیں۔ میرے خیال میں تصویر کا سائز چھوٹا ہوتا اور حروف بھی ایک جانب ہوتے اور چھوٹے تو یہ زیادہ اچھا معلوم ہوتا۔ اب کاغذ اتنا اچھا ہے کہ اسے پھینکنے کو جی نہیں چاہتا اور جب کہ غالب کی تصویر بھی ہے۔ بچوں کے لئے ٹکٹ اتنے ضروری نہیں ہیں۔ دراصل مہ جبیں اور انیس آپ کا لفافہ پہچانتے ہیں اور شور مچا دیتے ہیں کہ ٹکٹ آئے ہوں گے۔ کوئی جلدی نہیں اطمینان سے بھیجئے گا۔

خدا کرے کہ آپ کی طبیعت اب ٹھیک ہو۔ آپ کے خط کا آخری پیراگراف خاصہ پریشان کن ہے۔ انسان کو جب تک سانس آتا ہے اکبر علی خاں اور سید قدرت نقوی جیسے لوگ ملتے ہیں۔ مگر آپ کیوں غم کریں لعنت بھیجئے۔

چچا جان نے بتلایا تھا کہ کوئی عزیز ۱۲/اکتوبر کو امروہہ گئے ہیں۔ ان کے ہمراہ رسائل اور کتب کے علاوہ اپنا اور توفیق صاحب کا مضمون مطبوعہ ہماری زبان اور نقوش کے لئے مضمون جو عکس کے ساتھ شائع ہو سکے ضرور بھیجئے۔ بار بار لکھتے ہوئے شرم دامن گیر ہوتی ہے کہ مطبوعہ کتب و رسائل کسی طرح بھیج دیجئے۔ میں دو دن سے سخت زکام و کھانسی میں مبتلا ہوں۔

طفیل صاحب سے جو گفتگو ہوگی آپ کو مطلع کروں گا۔ بھابھی جان کو آداب۔ بچے سلام عرض کرتے ہیں۔ اہلیہ آداب کہتی ہیں۔

اگر آپ کا مضمون نہ آیا تو تلاشِ غالب میں نسخۂ امروہہ سے متعلق جو مضمون ہیں اسے شامل کرادوں گا لیکن ضروری ہے کہ آپ توفیق صاحب کے حوالے سے دوسرا مضمون لکھیں تاکہ اصلیت معلوم ہو سکے۔ جلال الدین اور اکبر علی خاں اگر جھوٹ بول سکتے ہیں تو کیا آپ سچ نہیں بول سکتے۔

احقر

لطیف الزماں خان

لطیف الزماں خان۔ ایم۔ اے

لیکچرر شعبۂ انگریزی

گورنمنٹ کالج۔ ملتان

مورخہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۹ء

برادرم۔ السلام علیکم۔ آپ کا ۲۷/ستمبر کا لفافہ جو دہلی سے ۲۹/ستمبر (ڈاک خانہ

کی مہر ظاہر کرتی ہے) کو روانہ ہوا۔ مجھے ۱۹ اکتوبر کو ملا تھا میں نے دوسرے روز آپ کو جواب لکھ دیا تھا۔

آپ کا ۳۰ ستمبر کا کارڈ مجھے کل یعنی ۲۱ اکتوبر کو ملا۔ خدا جانے ڈاک اس قدر دیر سے کیوں آ رہی ہے۔ میں آپ کو گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں کہ چچا جان کا خط جو انہوں نے ۲۷ ستمبر کو لکھا تھا مجھے ۱۴ اکتوبر کو مل گیا تھا۔ حکم تھا کہ ۵ کو لاہور پہنچوں اور تمام چیزیں حاصل کرلوں چنانچہ تعمیل حکم میں گیا اور سب چیزیں جن کا ذکر گزشتہ خط میں ہے لے آیا۔

جب ۱۹ اکتوبر کو مجھے آپ کا خط ملا تو میں نے طفیل صاحب کو ٹیلی فون کیا اور وہ آج لاہور سے تشریف لے آئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی اور عکس انہیں دے دیے۔ طفیل صاحب کو آپ کا خط مل چکا ہے۔ ان سے جو گفتگو ہوئی ہے اسے مختصراً میں درج کرتا ہوں۔ خیال ان کا یہ تھا کہ نقوش کا غالب نمبر حصہ دوم دسمبر میں شائع کریں لیکن اب وہ نومبر ہی میں شائع کریں گے۔ یہ مضمون توفیق صاحب کا اگر بھیج آپ دیں تو وہ بھی شامل کرلیا جائے گا۔ آپ نے اگر نیا مضمون بھیج دیا تو ٹھیک ورنہ پھر "تلاش غالب" والا مضمون ہی شامل کرلیا جائے گا۔

طفیل صاحب چاہتے ہیں کہ میرا ذکر بھی آئے لیکن مجھے نام و نمود سے نفرت ہے میں نے انہیں سختی سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر میرا نام شامل کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ طفیل صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ عکس کی ذمہ داری آپ نہ لیجئے۔ بس مضمون آپ کا اور عکس کی ذمہ داری میری یا کسی اور کی۔ اس لیے ہو گا یہ کہ آپ کو توفیق صاحب کچھ کہہ نہ پائیں گے۔ نیز آپ کہہ سکیں گے کہ آپ نے صرف اپنی کتاب کے لئے مضمون لکھا تھا وہ شامل کرلیا گیا ہے۔ یا اگر نیا مضمون بھی ہو گا تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا ہے۔

اگرچہ کہ جلال الدین صاحب نے یہاں آ کر اخبارات و رسائل میں مضامین

شائع کرائے ہیں لیکن جو تحریر نقوش میں ہوگی وہ صحیح تصور کی جائے گی نیز دیرپا بھی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ کوشش اس امر کی ہوگی کہ کم از کم یہاں کے قاری کو صحیح صورت حال کا علم ہو سکے۔

آج طفیل صاحب آئے بھی اور کچھ پس بھی چلے گئے۔ میں نے دوپہر کو کچھ اور لوگوں کو بھی کھانے پر مدعو کیا تھا۔ ان میں ایک صاحب مسعود اشعر صاحب بھی تھے۔ مسعود اشعر صاحب عرشی صاحب کے عزیز ہوتے ہیں اور عرشی صاحب وا کبر علی خاں صاحب کو ہم لوگوں سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ مسعود صاحب نے بتلایا کہ اکبر علی خاں صاحب نے انہیں اپنا اور سرور صاحب کا وہ مقدمہ بھی بھیجا ہے کہ جو انہوں نے نسخۂ امروہہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ جنگ کراچی کو بھی یہ تحریر بھیجی ہیں۔ مگر اب تک صرف خبر آئی ہے۔ مقصد تو یہ ہے کہ پروپیگنڈا یہاں اور وہاں ہوتا کہ ان کو محقق اعظم تسلیم کرلیا جائے۔ اب ضروری ہو گیا ہے کہ تمام اخبارات ورسائل کے ذریعہ غالب کے کلام نو دریافت سے متعلق صحیح صورت حال سے آگاہ کیا جائے۔

آج مجھے بار بار یہ خیال آتا رہا کہ جب توفیق صاحب چھ ہزار پر وہ مخطوطہ فروخت کر رہے تھے تو آپ نے خرید کیوں نہ لیا۔ تا کہ اکبر علی خاں اور جلال الدین جیسے حضرات کو ہوا بھی نہ لگتی۔ دیوان غالب کے نسخے اگر چاچان کو فراہم کئے جاسکتے ہیں تو کیا آپ کو فراہم نہ کئے جاتے۔ افسوس کہ اُس وقت آپ نے اس پر غور نہیں فرمایا تھا اور اب صورت حال اس قدر خراب ہوگئی ہے کہ اکبر علی خان صاحب نے توفیق صاحب کو راہ پر لگا لیا اور اپنے نام سے عکس شائع کر دیئے۔ آپ اگر اس عرشی زادہ کی ایک کاپی رجسٹری سے طفیل صاحب کو بھیج دیں تو وہ پہنچ جائے گی۔ ایک کتاب یا رسالہ آجاتا ہے۔ طفیل صاحب نے بتایا تھا کہ کل ہی رجسٹری سے کوئی کتاب پہنچی ہے۔

اگر وہ میرے لئے ہوگی تو میں لے لوں گا۔ ورنہ آپ سلیمان احمد صاحب فاروقی

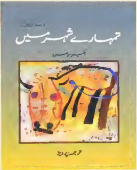

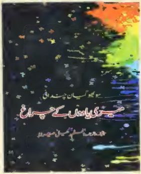

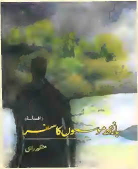

فِکشن ہاؤس

لاہور • حیدرآباد • کراچی •

e-mail:fictionhouse2004@hotmail.com